ماہنامہ
پاک جمہوریت
لاہور

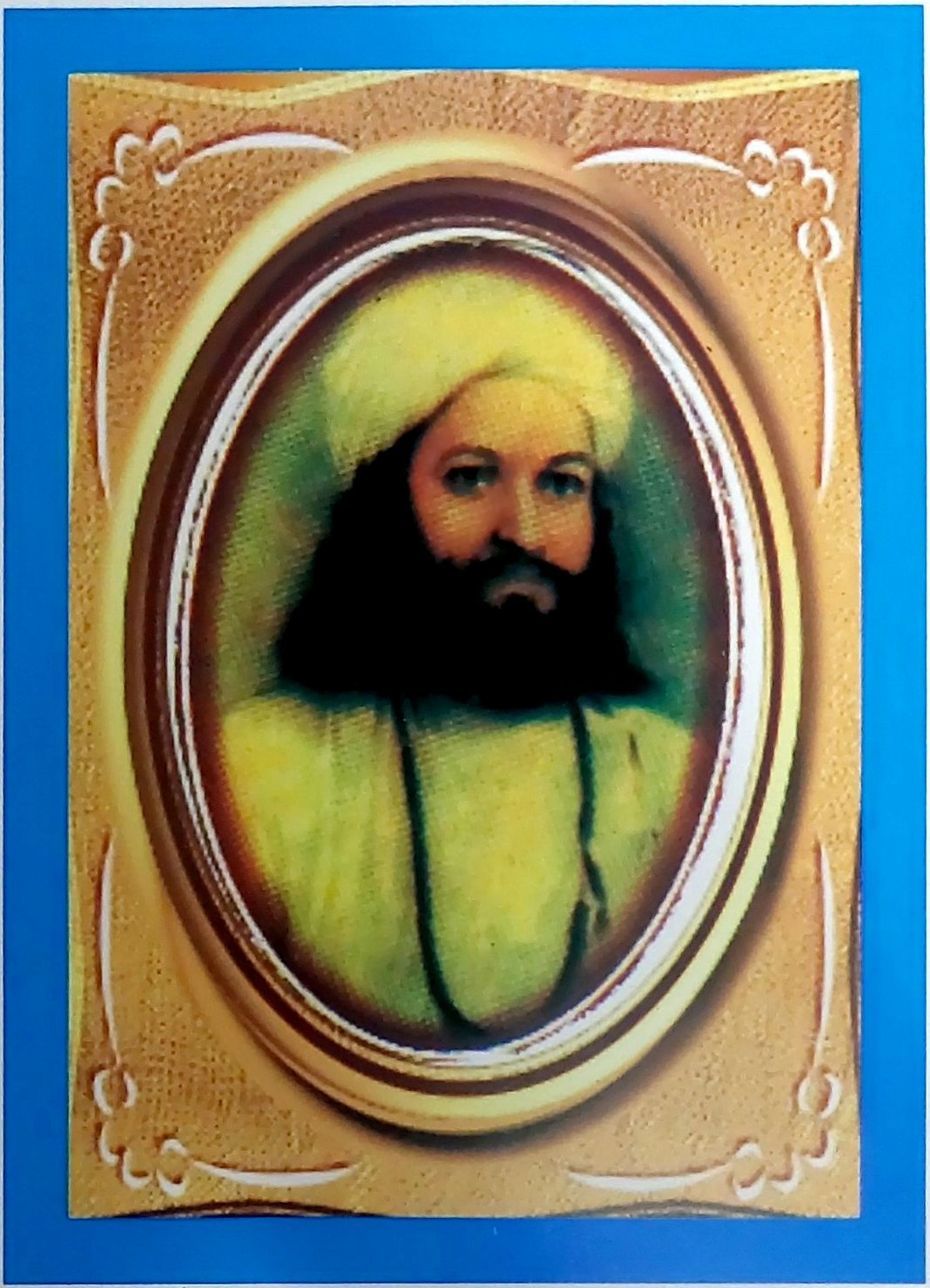

اول حمد خداءِ دا ورد کیجے
عشق کیتا سُو جگ دا مُول میاں
پہلے آپ ہے رب نے عشق کیتا
معشوق ہے نبیؐ رسول میاں
عشق پیر فقیر دا مرتبہ ہے
مرد عشق دا بھلا رنجول میاں
کُھلے تنہاں دے باب قلوب اندر
جنہاں کیتا ہے عشق قبول میاں

ماہنامہ
پاک جمہوریت
لاہور

ادارۂ مطبوعات پاکستان

نگران اعلیٰ میاں شفیع الدین

نگران پیرزادہ حبیب الرحمٰن زکوڑی

مدیر اعلیٰ پروین ملک

انتظام: ارم ظفر

ریجنل پبلی کیشنز آفس

ڈائریکٹوریٹ آف فلمز اینڈ پبلیکیشنز

32-A حبیب اللہ روڈ

لاہور

فون 042-6305316 , 042-6305906

مئی/جون 2004

قیمت عام شمارہ 10 روپے

زر سالانہ 100 روپے

حکومت پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کے محکمہ تعلیم کی طرف سے سکولوں اور لائبریریوں کے لئے منظور شدہ

جلد 45 شمارہ نمبر 5/6 رجسٹرڈ نمبر LRL 82

تزئین: محمد یونس کمپوزنگ: محمد یونس، محمد ناصر، نصرت جہاں

ادارہ مطبوعات پاکستان نے فریدیہ آرٹ پریس انٹرنیشنل چوک سردار چیل لاہور سے چھپوا کر 32-A حبیب اللہ روڈ لاہور سے شائع کیا

Monthly Pak Jamhuriat Regd LRL No 82 May/June 2004

ترتیب

مئی/جون 2004ء

نذرِ عقیدت		
حمد	سہراب جنگ لدھیانوی	۳
نعت	حامد غازی آبادی	۳
سیرت طیبہ	مسعود خان نیازی	۴
حلم و بردباری	بشکریہ ہلال	۷
یوم مئی پر صدر مملکت کا پیغام		۹
صدر پرویز مشرف کے اہم اقدامات	فاروق قاضی	۱۰
امن عامہ کا چیلنج اور پنجاب حکومت کے اقدامات	سید انوار غالب	۱۴
وزارت محنت، افرادی قوت اور اوورسیز پاکستانیز کی کارکردگی	ماخوذ	۲۱
فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن اور ملکی تعمیر و ترقی	میجر (ر) زاہد اسلم راجہ	۲۳
بجلی سستی کرنے کے منصوبے	کرنل (ر) سفیر تارڑ	۲۶
ایوان نمائندگان	ارشاد امین	۲۹
نواب علی مردان خان کا مقبرہ	محمد نعیم مرتضیٰ	۴۲
والئی ملتان نواب مظفر خان شہید	ظہور احمد دھریجہ	۴۵
فصل کے معیار پر اثرات	لنگر خان	۴۸
گنجاپن	سہیل قیصر ہاشمی	۵۱
سلاد	ریحانہ عاشق	۵۵
فضول خرچی	حکایات سعدی	۵۸
تکریم اساتذہ	پروین اختر	۶۰
بچوں کے لیے نظمیں	محیط اسماعیل، بشیر رحمانی، منیب رحمانی	۶۲
ہنسی کے گول گپے	ریحانہ عاشق	۶۴

سرورق: افتخار ملک

سہراب جنگ لدھیانوی

حمد

اشاروں پہ تیرے رواں زندگی ہے
تیرے حکم سے رُخ پہ کیا تازگی ہے
تیری حمد کے مولا موتی لُٹانا
حقیقت میں میری یہی بندگی ہے
دلوں میں تیری ذات کی ضوفشانی
نظر میں، بصر میں، تیری روشنی ہے
تیرا رُوپ گلشن میں اور رنگ و بُو میں
تیرے حکم سے ہی شگفتہ کلی ہے
خلوص و وفا کا دیا درس تُو نے
اسی سے یہ دیں کی عمارت بنی ہے
میری جان کے روگ سب دُور کر دے
میری التجا ہے، تمنا یہی ہے
تُو سہرابؔ گُم ہے ثنا میں خدا کی
شگفتہ تیری اس لیے شاعری ہے

حامد غازی آبادی

نعت

یوں میرے خیالوں میں سما جائے مدینہ
جس سمت نظر اٹھے نظر آئے مدینہ
اب راس مجھے آتی نہیں کوئی فضا بھی
اب دل میں تڑپتی ہے تمنائے مدینہ
کیوں کر نہ بہاروں کے سلام آئیں مرے نام
میں سر میں لیے پھرتا ہوں سودائے مدینہ
کیونکر نہ لہو دل کا نثار ان پہ کروں میں
پیارے ہیں مجھے جان سے گلہائے مدینہ
خوشبوئے محمد ﷺ سے مہکتی ہیں فضائیں
بہتر ہے چمن زار سے صحرائے مدینہ
حامدؔ کو مئے و جام سے رغبت نہیں ساقی
درکار ہے اِس رِند کو صہبائے مدینہ

سیرت طیبہ رحمت العالمین ﷺ

مسعود خان نیازی

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

ترجمہ: ''ہم نے آپ ﷺ کو دونوں جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔'' (القرآن)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

اللہ تعالیٰ نے دنیائے عالم میں ہر گروہ، ہر علاقے اور ہر زبان کے لوگوں میں انہی میں سے ان کی بھلائی و رہنمائی کے لیے انبیاء کرام کو مخصوص وقت کے لیے مبعوث فرمایا۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کو دونوں جہانوں کا سردار اور رہبر و رہنما اور رحمت دو عالم بنا کر بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی اور اس کی امت کو احکامات جاری فرمائے۔ نیکی و بدی کا راستہ بیان فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے کسی بھی امت کو یہ نہیں فرمایا کہ میں اور میرے ملائکہ یہ کام کرتے ہیں اس لئے تم بھی اسی طرح کرو۔

ہم نے آپ ﷺ کو دونوں جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔'' (القرآن)

لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ شرف و اعزاز صرف رحمۃ اللعالمین ﷺ کی ذات پاک کو بخشا کہ اس کی امت کو یہ بتا دیا اور حکم دیا کہ اے ایمان والو! میں اور میرے فرشتے نبی اکرم ﷺ پر درود و سلام بھیجتے ہیں تم بھی ان پر درود و سلام بھیجا کرو۔

آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں کے بیان کرنے کے لیے حضرت جبرائیل کی زبان اور سمندروں میں پانی کے برابر سیاہی چاہیے۔ شاید تب کہیں جا کر محبوب خدا کی فضیلت اور سیرت کا حق ادا کرنے کے شایان شان ہو پائے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ نے نبی اکرم ﷺ کو جلوت اور خلوت میں بہت قریب سے دیکھا ہے، تو آپ ﷺ کا اخلاق کیسا پایا؟ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ ''خلق القرآن'' نبی اکرم ﷺ کا خلق مجھ سے پوچھتے ہو، اللہ کے قرآن کو کھول کر دیکھ لو، آپ کی سیرت اس کے ہر ورق کا عملی نمونہ پیش کرتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے کہ:

''بیشک رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ان لوگوں کے لیے پیروی اور اتباع کا بہترین نمونہ ہے جو اللہ سے ڈرنے اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے اور بکثرت ذکر کرنے والے ہیں۔'' (سورہ احزاب)

اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

''اے پیغمبر! مدعیان محبت الٰہی سے کہہ دو کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو (اگر تم نے ایسا کیا تو تم کو اللہ کی محبت کے دعوے کی ضرورت نہ ہو گی) بلکہ خود اللہ تم کو اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہوں کو بھی بخش دے گا وہ نہایت مہربان بخشنے والا ہے۔''

ان آیات کریمہ میں رحمۃ اللعالمین ﷺ کے اسوہ حسنہ، اتباع اور پیروی کے لیے جو حکم دیا گیا ہے دراصل یہی سیرت طیبہ ہے اور یہی محبوبِ خدا ﷺ سے محبت و عشق کی کسوٹی ہے اور اسی پر عمل کرتے ہوئے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی جماعت کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔

قرآن مجید فرقان حمید کی تعلیمات صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ پوری دنیائے عالم کے لیے ضابطہ حیات و ضابطہ اخلاق ہیں اور ساتھ ہی اللہ کی یہ برحق آخری کتاب دنیائے عالم کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً یہ درس دیتی اور بتلاتی ہے کہ جس ہستی پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اگر اس قرآن کو پہاڑوں پر نازل کیا جاتا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر روئی کی طرح فضا میں اڑ جاتے، بکھر جاتے۔ وہ کتنی شان والا نبی ہے اور کیسے زمانے میں تشریف آوری ہوئی، کیسے ملک اور ماحول میں اور کن کن مشکلات سے دوچار ہو کر بچپن سے جوانی تک کا وقت گزارا۔ اپنے پرائے، دوست اور دشمن کیسے تھے اور آپ ﷺ کی نبوت کے اعلان سے قبل کیا جذبات رکھتے تھے اور اعلان بنوت کے بعد وہی لوگ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی جان کے کیونکر دشمن بن گئے؟ آپ ﷺ نے اپنی مبارک زندگی کیسے اور کن مصائب میں کس صبر و تحمل وایثار و قربانی سے گزاری ہے۔ اپنے وطن عزیز کو کس کے حکم اور رضا کے لیے الوداع کہا؟ لوگوں نے کیسا برتاؤ کیا اور آپ ﷺ نے جواباً کس حسن سلوک کا مظاہرہ کیا۔ نبی کریم ﷺ کی گھریلو زندگی کیسی تھی اور معاشرتی زندگی میں گھر کی معاشرت کا کیسا حال تھا۔ دن میں کس طرح مشغول رہتے اور رات کی تنہائیوں میں کن کاموں کے لئے ساری ساری رات تڑپتے رہتے تھے۔ آپ ﷺ کی زندگی میں کون کون سے حادثات و واقعات وقوع پذیر ہوئے۔ آپ ﷺ جب دنیا میں تشریف لائے اور پہلی نظر دنیا پر ڈالی تو کیا حالات تھے اور آپ ﷺ دنیا سے پردہ پوشی فرماتے وقت دنیا میں دنیا والوں کے لیے اپنے پیچھے کیا چھوڑ کر رخصت ہوئے۔ غرض یہ کہ آپ ﷺ نے واپسی نظر وداع ڈالی تو دنیا کہاں سے کہاں پہنچ چکی تھی۔ قرآن مجید نے ایک وجود، مقاصد وجود اور اعلام صداقت و عظمت کے لیے جن جن باتوں کی ضرورت ہو سکتی ہے وہ سب کچھ بیان فرما دیا اور کسی طرح بھی رحمۃ اللعالمین ﷺ کا اسوہ حسنہ کسی مزید وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔

> **''بیشک رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ان لوگوں کے لیے پیروی اور اتباع کا بہترین نمونہ ہے جو اللہ سے ڈرنے اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے اور بکثرت ذکر کرنے والے ہیں۔''**
>
> **(سورہ احزاب)**

پورے قرآن مجید کا بغور جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ قرآن مجید میں نبی اکرم ﷺ کی سیرت اور اسوۂ حسنہ کا ذکر اس کثرت سے ہے کہ گمان گزرتا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور ذکر ہی نہیں اور اگر غور کیا

جائے تو یہ حقیقت میں خصائص و اعجاز قرآن ہے کہ کسی پیغام کی صداقت اس وقت تک صحیح معلوم نہیں ہو سکتی جب تک پیغام لانے والے کی صداقت و امانت کی معلومات اور یقین کامل نہ ہو اور ان معلومات کے لیے اس کی زندگی کے اعمال و اطوار دنیا کے سامنے نہ ہوں۔

دنیائے عالم میں قرآن مجید کے علاوہ کوئی آسمانی صحیفہ یا کتاب، تمام عالم انسانیت کے لیے، ایسی نازل نہیں کی گئی ہے جس نے اپنے لانے والے نبی کی زندگی کے وقائع وسوانح ہر عہد اور ہر زمانے میں خود اپنی زبانی خود سنائے ہوں۔ ہمارے پیارے نبی اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ قرآن مجید میں اپنی شان وشوکت کے ساتھ رشد و ہدایت بن کر موتیوں کی لڑی کی طرح پرو کر ہمارے سامنے ہے اور دین اسلام ایک تعلیم اور اس تعلیم کا عملی نمونہ رحمۃ اللعالمین ﷺ کی زندگی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے ادب و احترام کا تقاضہ یہی ہے کہ آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر سچے دل سے عمل کیا جائے۔ سچا ادب اور احترام وہی ہے جو دل سے ہوتا ہے نہ کہ صرف زبان سے احترام کے بلند بانگ دعوے کرے اور عملی زندگی اس کے برعکس گزارے۔ عقیدہ اور ایمان بھی ایک روحانی قانون ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پہ ہے لیکن ساتھ ہی اعمال ظاہری ولسانی کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے بار بار اظہار کیا کہ ایمان کا تعلق محض دل واعتقاد سے ہے۔ تعظیم کی اصل جگہ دل ہے جو نام دل کو بہت محبوب ومحترم ہوتا ہے وہی نام ہر وقت ورد زبان رہتا ہے۔

☆☆☆☆

"اے پیغمبر! مدعیانِ محبت الٰہی سے کہہ دو کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو (اگر تم نے ایسا کیا تو تم کو اللہ کی محبت کے دعوے کی ضرورت نہ ہوگی) بلکہ خود اللہ تم کو اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہوں کو بھی بخش دے گا وہ نہایت مہربان بخشنے والا ہے۔"
(سورہ آل عمران)

حلم و بردباری

بشکریہ ''ہلال''

حلم و بردباری کے معنی یہ ہیں کہ انتقام کی قدرت کے باوجود کسی ناگوار یا اشتعال انگیز بات کو برداشت کرلیا جائے اور قصور وار سے اس کے لیے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ یہ قدرت سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے' لیکن اس قدرت کے باوجود وہ اکثر اپنے بندوں کی برائیوں سے چشم پوشی کرتا ہے اور انتقام نہیں لیتا اور اسی لیے اس نے اپنے آپ کو حلم سے متصف کیا ہے اور جہاں جہاں اپنی اس صفت کا اظہار کیا ہے ساتھ ہی اپنے علم اور اپنی بخشش کا بھی ذکر کر دیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ اس کا یہ حلم اس کے علم کے باوجود صرف اس کی بخشش کا نتیجہ ہے۔ فرمایا:

ترجمہ: ''اور اللہ ہے بخشنے والا بردبار

(سورہ بقرہ:۲۸' مائدہ:۱۴)

''بے شک اللہ ہے بخشنے والا بردبار''

(سورہ آل عمران:۱۶)

''بے شک وہ (اللہ) ہے بخشنے والا بردبار''

(سورہ بنی اسرائیل:۵)

ان سب آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت حلم کے ساتھ اپنی صفت مغفرت کا ذکر کر دیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس کی یہ بردباری (نعوذ باللہ) کسی ضعف یا عدمِ قدرت کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کی شانِ غفاری کا نتیجہ ہے۔ دوسری جگہ حلم کے ساتھ اپنی صفت علم کو شامل کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ ''اور اللہ ہے جاننے والا بردبار''

(سورہ نساء:۲)

''بے شک اللہ ہے جاننے والا بردبار''

(سورہ حج:۸)

''اور ہے اللہ جاننے والا بردبار''

(سورہ احزاب:۶)

ان آیات سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ وہ انسانوں کی طرح بے جانے بوجھے یا محدود علم کے سبب سے بردباری نہیں کرتا بلکہ پورے علم اور ہر چیز اور ہر نتیجہ سے باخبر ہو کر بردباری فرماتا ہے۔ ایک جگہ اپنی بردباری کے ساتھ اپنی صفت استغناء کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

ترجمہ: ''اور اللہ مستغنی اور تحمل والا ہے''

(سورہ بقرہ:۳۶)

یہ صدقہ کے موقع کی آیت ہے اس لئے یہ ظاہر فرما دیا کہ وہ مستغنی ہے اور بردبار ہے۔

انسانوں میں بردباری اکثر کسی نہ کسی قسم کی کمزوری کا نتیجہ ہوتی ہے۔ مثلاً انتقام کے مقابلہ میں حلم اگر اس برائی کرنے والے کو رام کرنے کے لئے کسی کو زیادہ قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے تو یہ بھی ایک قسم کی کمزوری ہے کہ اس کو انتقام سے زیاد حلم نفع بخش معلوم ہوتا ہے لیکن اللہ کی ذات ہر حیثیت سے غنی ہے اس کا حلم کامل استغناء کے ساتھ ہے۔

حلم گو اخلاقی حیثیت سے ہر حالت میں تعریف کے قابل ہے لیکن اس کی ایک ہی حیثیت ایسی ہے کہ اس سے بعض

کم فہموں کے نزدیک حلم اور بردبار آدمی کی کمزوری کا راز فاش ہوتا ہے اور اسی لئے اس کے مقابلے میں ان میں سرکشی اور بے اعتنائی پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی اس کمزوری سے واقف تھا۔ اس لئے اس نے اپنے حلم اور داروگیر دونوں کو پہلو بہ پہلو جگہ دی ہے تا کہ اس سخت گیری کے سبب سے بندوں میں مایوسی اور بردباری کے سبب سے سرکشی نہ پیدا ہو۔ فرمایا:

ترجمہ "اور جان رکھو کہ اللہ کو معلوم ہے جو تمہارے دلوں میں ہے، تو اس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا ہے تحمل والا"

(سورہ بقرہ: ۳۰)

نیکی کے کاموں میں مخلصانہ خرچ کرنے کی اللہ تعالیٰ قدر فرماتا ہے اور ایسے لوگوں کے گناہ معاف کرتا ہے۔ اس موقع پر اس کا ارشاد ہے:

ترجمہ "اگر تم اللہ کو قرض دو اچھی طرح قرض دینا تو وہ اس کو دوگنا کر دے گا اور تمہیں معاف کرے گا اور اللہ ہے قدر دان اور تحمل والا۔" (سورہ تغابن: ۱۲)

اس کی قدر دانی تو یہ ہے کہ وہ ایک کے بدلے دو دے گا اور تحمل یہ ہے کہ دینے والے کے گناہ معاف کرے گا۔ اس میں تحمل اور بردباری کا ایک فلسفیانہ نکتہ بھی چھپا ہے۔ کسی قصوروار کے قصور پر جب ہم کو غصہ آتا ہے تو اس وقت اس عیب کے سوا اس کے سارے ہنر ہماری آنکھوں سے چھپ جاتے ہیں اور اس کی خوبیاں نظر انداز ہو جاتی ہیں۔ اس لئے ہمارا غصہ پوری طرح تیز ہو جاتا ہے، لیکن اگر یہ سامنے رہیں تو اس سے ایک غلطی سے درگزر کرنا آسان ہو جاتا ہے چنانچہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس کی مخلصانہ خیرات کی خوبی کی قدر فرما کر وہ اس کی غلطی سے درگزر کرتا ہے۔

صفت حلم سے انبیائے کرام بھی متصف فرمائے گئے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ جن کی بنیادوں پر محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں اسلام کی عمارت تعمیر ہوئی ہے، خاص طور پر اس وصف سے سرفراز ہوئے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بت پرست باپ کو ہر طرح سمجھایا اور چاہا کہ وہ کسی طرح عذابِ الٰہی سے بچ جائے۔ انہوں نے اس کافر باپ کے ہاتھوں طرح طرح کے ظلم سہے اور آخر مجبور ہو کر اس سے علیحدگی اختیار کر لی، پھر بھی ان کی بردباری اور تحمل کا رشتہ ان کے ہاتھ سے نہیں چھوٹا اور اس وقت تک ان کے حق میں دعائے خیر کرتے رہے جب تک ان کو پوری مایوسی نہیں ہوگئی اور ان کو قطعی طور سے معلوم نہیں ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے۔

(ماخوذ: سیرت النبی ﷺ
از علامہ شبلی نعمانیؒ، سید سلمان ندویؒ)

☆☆☆☆

محنت کشوں کا عالمی دن............یکم مئی

پیغام: جنرل پرویز مشرف صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان

ہر یکم مئی سارے محنت کش طبقے کو خراجِ عقیدت پیش کرنے اور محنت کی عظمت کو اجاگر کرنے کے عزم کے تحت منایا جاتا ہے۔ محنت کی عظمت کو اسلام سے زیادہ کوئی تسلیم نہیں کرتا۔ لہذا محنت کش طبقے کی بہبود کا بہترین راستہ اسلامی احکامات کی پابندی ہے۔ امسال جبکہ ہم یومِ مئی منا رہے ہیں' آئیں عہد کریں کہ ہم اپنے وطن کو مزدوروں اور کارکنوں کے خلاف ہر قسم کے امتیاز سے نجات دلانے کے لئے اسلام کے اصولوں کے لئے جدوجہد کریں گے۔

الحمدللہ وطن عزیز کی تاریخ میں پہلی بار مزدوروں کو مقامی سطح پر فیصلہ سازی میں شریک ہونے کا حق دیا گیا ہے۔ اس غرض سے اختیارات کی نچلی سطح تک منتقلی کا پروگرام متعارف کرایا گیا جو معاشرے کے تمام طبقوں کی نمائندگی کو یقینی بناتا ہے۔ مزدور اور کسان اختیارات کی نچلی سطح تک منتقلی کے منصوبے کے تحت مقامی حکومتوں کے انتخابات میں اپنی مخصوص نشستوں پر منتخب ہوتے ہیں۔ اس نظام کے اجراء سے اب مزدور سیاسی فیصلہ سازی میں شرکت کے ذریعے تسلط سے آزادی حاصل کر سکیں گے۔ جس سے صرف مزدور طبقے کی ہی نہیں بلکہ معاشرے کے تمام طبقوں کی بہبود یقینی بنائی جاسکے گی۔

آج اس امر کی فوری ضرورت ہے کہ ملازمین اور کارکن پوری یک جہتی اور اتحاد کا مظاہرہ کریں تاکہ پیداواری صلاحیت میں اضافہ ہو اور سارے عوام کی بہتری یقینی ہو سکے۔ اس لئے کہ بغیر اقتصادی ترقی کے ہم جدید' متحرک اور اعتدال پسند فلاحی ریاست کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں کر سکتے۔ اس بنا پر میں تمام پاکستانیوں کو پاکستان کی ترقی اور خوشحالی کے لیے سخت محنت کی تاکید کرتا ہوں۔ آجرین کو بھی اپنے طور پر ملازمین کے لئے کام کا سازگار ماحول یقینی بنانا چاہئے۔ اگر ہم ایک خوشحال اور خوددار قوم کے طور پر ڈبلیو ٹی او کے دور میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے کارکنوں کے ساتھ منصفانہ برتاؤ یقینی بنانا ہوگا اور ساتھ ہی ان کی صلاحیتوں اور ملازمت کی شرائط کو بھی بہتر کرنا ہوگا۔

آئیں ہر قسم کے استحصال اور جبر و استبداد کے خاتمے کا عہد کریں۔ میں آجرین کو اپنے کارکنوں کے ساتھ معاملات میں روشن خیالی کی تاکید کے ساتھ ساتھ کارکنوں کو بھی پیداواریت میں اضافے کی کوششوں میں بھرپور شرکت کی اپیل کرتا ہوں۔

اللہ ہماری کاوشوں میں ہمارا حامی و ناصر ہو' آمین۔

صدر پرویز مشرف کے اہم اقدامات

فاروق قاضی

☆ 12 اکتوبر 1999ء ملک کا نظم و نسق سنبھالا۔

☆ 14 اکتوبر 1999ء آئین، اسمبلیاں اور سینٹ معطل، ایمرجنسی کا نفاذ، آرمی چیف نے ملک کے چیف ایگزیکٹو کے اختیارات سنبھال لئے۔

☆ 16 اکتوبر: قرض نادہندگان کے خلاف ملک گیر آپریشن کا آغاز

☆ 17 اکتوبر: قومی سلامتی کونسل، تھنک ٹینک اور کابینہ کا قیام، ٹیکس چوروں اور قرض خوروں کو چار ہفتے کی مہلت

☆ یکم نومبر: قومی احتساب بیورو کا قیام

☆ 16 نومبر: نادہندگان کی مہلت ختم، تھنک ٹینک کو نیشنل ری کنسٹرکشن بیورو کا نام دے دیا گیا۔

☆ 26 نومبر: 9.26 کروڑ ڈالر کی ری شیڈ ۔نگ، حکومت اور امریکا کے درمیان پہلا معاہدہ

☆ 27 نومبر: چھ احتساب عدالتوں کا قیام، عالمی بنک نے پاکستان کی ترقیاتی امداد بحال کر دی۔

☆ 12 دسمبر: آٹھ غیر ملکی بنکوں نے پاکستان کے 51 کروڑ ڈالر قرضے کی ری شیڈولنگ کر دی۔ حکومت نے غازی بروتھا ڈیم کی تکمیل کے لئے واپڈا کو فنڈز فراہم کر دیئے۔

☆ 15 دسمبر: چھ نکاتی اصلاحات کا اعلان، جن میں غربت مٹاؤ پروگرام، غریبوں کے لئے نیا بنک، فوڈ اسٹمپ اور زکوٰۃ و عشر کے نظام کو موثر بنانا شامل ہے۔

☆ 16 دسمبر: فارن ایکس چینج و کرنسی بیئرر سرٹیفکیٹس کی فروخت پر پابندی۔

2000ء

☆ 16 فروری: تمام پاکستانیوں اور غیر ملکیوں کا ریکارڈ رکھنے لئے ڈیٹا بیس اتھارٹی کا قیام

☆ یکم مارچ: کالا دھن ظاہر کرنے کے لئے دو ماہ کی مہلت کا اعلان

☆ 22 مارچ: ضلعی حکومتوں کے قیام اور بلدیاتی انتخابات کرانے کا اعلان

☆ 25 مارچ: نئے ٹیکس نظام کا اعلان

☆ یکم جولائی: ٹیکس ایمنسٹی سکیم کے تحت 90 ارب کی خفیہ دولت ظاہر ہونے سے سرکاری خزانے کو 9 ارب کے ٹیکس وصول

☆ 22 جولائی: قومی مالیاتی کمیشن کی تشکیلِ نو، انسداد دہشت گردی آرڈی ننس 2000ء کا اجراء

☆ 9 اگست: حکومت نے سیاسی جماعتوں کے ایکٹ میں ترمیم کر کے سزا یافتہ سیاست دانوں کو پارٹی عہدوں کے لیے

نااہل قرار دے دیا۔

☆ یکم اکتوبر: بزرگ شہریوں کے عالمی دن کے موقع پر حکومت کی طرف سے 6 نکاتی پیکج کا اعلان

☆ 14 نومبر: پاکستان میں پہلی بین الاقوامی دفاعی نمائش آئیڈیاز 2000ء منعقد ہوئی۔

☆ یکم دسمبر: ملک بھر میں بلدیاتی انتخابات کے شیڈول کا اعلان

☆ 19 دسمبر: حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ کی اشاعت کا اعلان

2001ء

☆ یکم فروری: چاروں صوبوں نے پولیس اصلاحات کی منظوری دے دی۔

☆ 16 فروری: پانی کی تقسیم پر صوبوں اور وفاق میں اتفاق، صوبوں میں کرائسسز مینجمنٹ سیل کا قیام

☆ 30 اپریل: شہری حکومت کا منصوبہ منظور

☆ 9 مئی: چاروں صوبوں میں یکساں زرعی انکم ٹیکس کی منظوری

☆ یکم جون: نجی شعبے کو قرضے کی فراہمی میں 119 فیصد اضافہ، آئل پائپ لائن کے لیے چینی بنک کا 120 ملین ڈالر کا قرض

☆ 8 جون: 31 ارب روپے کا ترقیاتی پروگرام منظور

☆ 9 جون: بھاشا ڈیم کی تعمیر کا اعلان، عمرہ ویزہ نظام میں تبدیلی، ٹرانزٹ وغیرہ کی سہولت ختم

☆ 21 جون: سینٹ اور اسمبلیاں توڑ دی گئیں۔ جنرل مشرف صدر مملکت بن گئے۔

☆ 19 جولائی: صدر پرویز مشرف نے بھارت کا دورہ کیا، جہاں آگرہ مذاکرات کیے گئے

☆ 14 اگست: عام انتخابات آئندہ سال یکم سے 11 اکتوبر تک کرانے کا اعلان

☆ 20 اگست: جہادی تنظیموں کے چندہ جمع کرنے اور اشتہاری بورڈ لگانے پر پابندی

☆ 6 ستمبر: 11287 ارب روپے کے 10 سالہ ترقیاتی پروگرام کا اعلان، پانی، زراعت، کمیونیکیشن، انرجی اور صنعتی ترقی کے لیے 1140 ارب روپے مختص

☆ 23 ستمبر: ایٹمی تنصیبات کے تحفظ کے لیے انتظامات مکمل کرتے ہوئے پاکستانی جوہری ہتھیار محفوظ مقام پر منتقل

☆ 3 نومبر: افغان مہاجرین کے لیے صدارتی فنڈ قائم کرنے کا اعلان

☆ 9 دسمبر: نیب کو ضلعی حکومتوں کے ترقیاتی فنڈ کی نگرانی کا اختیار دے دیا گیا

2002ء

☆ 12 جنوری: لشکر طیبہ اور جیش محمد پر پابندی، امریکا بھارت کو کشمیر میں ریاستی دہشت گردی سے روکے۔

☆ سپاہ صحابہ، تحریک فقہ جعفریہ، تحریک نفاذ شریعت محمدی پر بھی پابندی۔

☆ غیر ملکی طلبہ اور اساتذہ کے لئے قواعد کا اعلان، تمام مساجد اور مدارس پر 23 مارچ تک رجسٹریشن کرانے کی پابندی۔ NOC کے بغیر کوئی نئی مسجد یا مدرسہ قائم نہیں کیا جا سکے گا۔

☆ 2 مارچ: 12 نئی خصوصی عدالتوں کے قیام کی منظوری

☆ 20 مارچ: سیکورٹی اداروں میں انسداد دہشت گردی یونٹوں کا قیام، انٹیلی جنس ایجنسیوں کی تنظیم نو کا بینہ کا فیصلہ

☆ 23 مارچ: نیا پولیس آرڈی ننس نافذ

☆ صوبائی حکومتوں اور اداروں پر قرضوں کا مارک اپ 3.79 فی صد کم کر دیا۔

☆ 5اپریل: صدر پرویز نے ریفرنڈم کے انعقاد کا اعلان کر دیا

☆ 9اپریل: فیصل آباد سے پنڈی بھٹیاں تک موٹر وے، لاہور میں رنگ روڈ، پنجاب کے ہر گاؤں میں بجلی، تمام بیراجوں کی مرمت اور نہروں کی توسیع کا اعلان

☆ 12 اپریل: قلات، زیارت اور لورالائی میں سوئی گیس کی فراہمی کا اعلان

☆ 13 اپریل: 44 ارب کی لاگت سے سیہون ڈیم، 11 ارب سے آر او ڈی کینال کو سمندر تک لے جانے کے منصوبے، رینی کینال کا منصوبہ اگلے ماہ شروع کرنے کا اعلان۔

☆ 18 اپریل: بھاشا ڈیم بنانے کے لیے 10 ارب روپے کے قرضے اور کاشتکاروں سے 300 روپے فی من گندم خریدنے کا اعلان۔

☆ 25 اپریل: خشک سالی سے متاثرین کے چھوٹے قرضے اور سود معاف

☆ 27اپریل: لیاری ایکسپریس وے کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

☆ 28اپریل: مستحقین زکوۃ کے بجلی کے بل معاف، سرکلر ریلوے کی بحالی کا اعلان

☆ 30اپریل: ریفرنڈم کا انعقاد

☆ 21 جون: نیشنل سیکورٹی کونسل کی ایڈوائس پر صدر کو اسمبلی اور حکومت توڑنے کا اختیار دیا گیا۔ سیاسی و آئینی اصلاحات منظور کی گئیں۔

☆ 26 جون: حکومت نے عوامی رائے معلوم کرنے کے لئے مجوزہ آئینی ترامیم کا پیکج جاری کر دیا۔ جس کے تحت اسمبلیوں اور سینٹ کی مدت چار سال، صدر کو کابینہ، اسمبلی کی برطرفی کا اختیار اور مفرور سیاست دانوں کو الیکشن کے لئے نا اہل قرار دینا شامل ہے۔

☆ 7 جولائی: تیسری بار وزیر اعظم و وزیر اعلیٰ بننے پر پابندی

☆ 15 جولائی: عوامی رائے کے لیے مجوزہ آئینی ترامیم کا پیکج جاری۔

☆ 22 اگست: صدر نے تیرہویں ترامیم ختم کر کے آرٹیکل 58(2) بی بحال کر دی۔ دستور میں آئینی ترامیم کا اعلان لیگل فریم ورک آرڈر پیش کیا گیا۔

☆ 23 اگست: تمام دواؤں پر GST ختم کرنے کا اعلان

☆ 22 ستمبر: نئی لیبر پالیسی اور اطلاعات تک رسائی کا آرڈیننس منظور۔ جامعات خود مختار بنا دی گئیں۔

☆ 23 ستمبر: مالیاتی ایوارڈ پر صوبے وفاقی محاصل کے 40 فیصد پر رضامند

☆ 24 ستمبر: لیبر پالیسی کا اعلان کیا گیا۔

☆ 10 اکتوبر: صوبائی و قومی اسمبلی کے انتخابات کا انعقاد

☆ 16 نومبر: صدر مشرف نے آئین بحال کر دیا، چند آرٹیکل معطل، آئین کے تحت صدر نے حلف اٹھایا، 5 سال کے لئے صدر بن گئے۔

☆ 18 نومبر: انسداد دہشت گردی کا ترمیمی آرڈیننس جاری

☆ 22 نومبر: ظفر اللہ جمالی وزیر اعظم منتخب

☆ 11 دسمبر: بجلی کے نرخوں میں 12 پیسے فی یونٹ کمی

2003ء

☆ 11 فروری: قومی و صوبائی اسمبلیوں کے ناکام امیدواروں کو سینٹ کے الیکشن لڑنے کی اجازت

☆ 24 فروری: سینٹ کے انتخابات کا اعلان

☆ 18 اپریل: زرعی ٹیوب ویلوں کے لیے بجلی 33 فیصد سستی کرنے کا اعلان

☆ 24 مئی: آئندہ مالی سال کے لیے ایک کھرب 2 5 ارب روپے کے ترقیاتی پروگرام کا اعلان

☆ 30 مئی: 60 ارب روپے کے سالانہ ترقیاتی پروگرام کی منظوری۔

☆ 14 جون: پانچ نکاتی ریلیف پیکج میں دل کی ادویات پر سیلز ٹیکس اور ڈیوٹی ختم۔

☆ 11 ستمبر: پاکستان کا دنیا کے چھ ممالک سے مجرموں کی حوالگی سے متعلق معاہدہ

☆ یکم اکتوبر: وزیراعظم سمیت تمام منتخب نمائندوں کے اثاثوں کی تفصیلات عوام کے سامنے پیش کرنے کا فیصلہ۔

☆ 14 اکتوبر: چاروں صوبوں میں انسداد دہشت گردی ایکٹ کا سختی سے نفاذ۔

☆ 16 نومبر: اسلامی تحریک' ملت اسلامیہ اور خدام الاسلام پر پابندی۔

☆ 25 نومبر: مجلس عمل کی حمایت سے LFO پارلیمنٹ سے منظور کرانے کا فیصلہ۔

☆ 29 نومبر: آئینی پیکج میں اسمبلی توڑنے کے صدارتی اختیارات پر حکومت اور متحدہ مجلس عمل میں اتفاق۔

☆ 6 دسمبر: حکومت اور مجلس عمل میں مذاکرات' متفقہ آئینی بل 18 دسمبر سے پہلے پیش کرنے کی یقین دھانی

☆ حکومت نے آئینی ترامیم کا مسودہ مجلس عمل کے حوالے کر دیا۔

☆ 18 دسمبر: حکومت اور مجلس عمل میں مذاکرات' آئینی ترامیم کے 8 نکاتی پیکج پر مشروط اتفاق

☆ 22 دسمبر: مذاکرات کامیاب

☆ 24 دسمبر: حکومت اور مجلس عمل میں سمجھوتہ' معاہدے کا آئینی بل 7 دن میں دو تہائی اکثریت سے منظور کرانے کے پابند

☆☆☆☆

امن عامہ کا چیلنج اور پنجاب حکومت کی شاندار کارکردگی

سید انوار غالب

معلومہ دنیاوی عصری تاریخ کا قدیم احوال یہ بتلاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ابوالبشر ثانی کے ساتھ نجات کے بیڑے کے کل انسانی مسافروں میں خود حضرت نوحؑ' ان کی بیوی' تین بیٹے حام' سام اور یافت کے علاوہ ان کی تینوں بیگمات یعنی حضرت نوحؑ کی بہوئیں بھی شامل تھیں۔ یہ کل ملا کے انسانی مسافر تعداد میں صرف آٹھ نفوس تھے۔ جب ساری دنیا پر پہلا ہولناک طوفان باد و باراں اور تباہ کن سیلاب آیا تو ساری دنیا جو کہ بیڑے کے باہر تھی' غرقاب ہو گئی تھی۔ ساری دنیا کے بلند ترین پہاڑ' بشمول ہندوستان کے' پانی میں ڈوب گئے تھے۔ حوالہ کے لیے ملاحظہ کریں بائبل مقدس کی کتاب پیدائش۔ بھارت کے پرانوی اور پراچین حالات کے بارے میں شاستروں میں سن سیلابی اس کا ثبوت ہے' کیونکہ برہمن احوال نویس اپنے سنشاستروں کے طوماروں میں تکرار کے ساتھ اکثر رقم طراز ہیں کہ جب دنیا گھور پاپ سے بھر گئی تھی تو تباہ کن اور ہولناک سیلاب آیا تھا۔ چنانچہ شاستروں میں لکھا ہے کہ سیلاب سے پہلے اور سیلاب کے بعد کی دنیا میں بیڑے کے باہر سب لوگ مر گئے تھے۔ سیلاب کے بعد نوح علیہ السلام کے تینوں بیٹوں نے نئی دنیا بسائی جو کہ حام' سام اور یافت کی نسل سے آج ہمارے سامنے ہے۔ نوح کے بیٹوں کی اولاد میں سے نمرود عراقی...... جو کہ ایک غیر معتبر حوالے کے مطابق تکریتی تھا' فرعون یافت کی اولاد میں سے تھا جو کہ مصر کا تاج دار تھا۔ جبکہ سام کی اولاد سے حضرت ابراہیمؑ کا خاندان نسلی واسطہ رکھتا ہے۔ جس کا تسلسل بنی اسرائیل یا پھر اولاد اسحٰق علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام' حضرت یوسف علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی اولادیں ہی ہیں۔ نمرود اور فرعون کے دور میں پہلی تنخواہ دار فوج اور پولیس معرض وجود میں آئی۔

آریاؤں نے اٹلی میں سلطنت روما کی جنگی مشقیں' قانون اور پولیس کا محکمہ سامی نسلوں کو دبانے کے لیے قائم کیا۔ حمورابی اور کدرلاعومر کے علاوہ ایران کے دارائے اعظم فورس' سائیرس یا عربوں کے سکندر ذوالقرنین کے دور میں بھی پولیس کا وجود معلوم و مشہور ہے۔ فرعونوں کا مضبوط عدالتی نظام بھی تاریخ میں مرقوم حوالہ ہے۔

مصری فرعونوں کا نظام شہنشاہی دنیا بھر میں قدیم ترین ہے۔ ان کا ساڑھے چار ہزار سالہ سلسلہ حکمرانی مضبوط عدالتی نظام کے سہارے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور تک قائم و دائم رہا۔ شام میں دروزی خانوادے کا شداد حکمران تھا' جبکہ لبنان میں ابی ملک اور ملک صادق کی حکمرانی کا بھی چرچا تاریخ میں ملتا ہے۔ مسلمانوں میں پولیس کا نظام خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کی اصلاحات کا نتیجہ باور کیا جاتا ہے اگرچہ یہ رومن سسٹم کی جدید اور ترمیم شدہ شکل تھی مگر

مسلمانوں اور اسماعیل کی اولادوں اور معدا بن عدنان اور قیدار کے خانوادے میں صلیب کے ذریعے سزائے موت دینے کا رواج نہ تھا۔ سنگسار کرنے کا سامی طور طریقہ یا پھر تلوار سے گردن اڑا دینے اور کوڑے مار کر موت کی نیند سلا دینے کا رواج عرب ثقافت کا حصہ تھا۔ خون بہا کا رواج' دیت' قصاص' زکوٰۃ' عشر' ختنے' عقیقے' نکاح' طلاق اور متعہ کے رواج بھی عربوں میں قدیم قبائلی نظام کی ساخت اور پرداخت کا جان دار معلومہ حوالہ ہیں۔ صرف پاگان عربوں کی ایک قبیح رسم تھی کہ وہ بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔

انگریزوں نے رومن پولیس اور عدالتی نظام سے استفادہ کیا اور آریاؤں سے بعض عدالتی اصول اور پولیس کے اصول مستعار لے کر اپنا فوجی اور پولیس نظام قائم کیا جو کہ برٹش نو آبادیات میں برطانیہ کے برعکس زیادہ تعزیری اور عقوبتی تھا۔ اگرچہ تفتیش کا نظام انگریزوں نے مصریوں اور رومنوں والا ہی رکھا۔ تھرڈ ڈگری سلوک اسی رومن اور مصری وطیرے کی یادگار اور جدید عقوبتی یا تعزیری شکل ہے۔

اس حوالے سے پولیس کا محکمہ نیا نہیں ہے بلکہ قدیم ترین تمدنوں کی یادگار ہے۔ امریکی انسائیکلوپیڈیا کے مطابق پولیس کا معنی ہے لوگوں کے جان اور مال کے تحفظ' حکم و انتظام یا امنِ عامہ کی حفاظت کرنے والا غیر فوجی (سول) ادارہ' جس کا مقصد غیر قانونی افعال کی روک تھام ہے۔ لندن میں سر رابرٹ پیسل نے 1829ء میں پولیس کا نظام قائم کیا تھا' جبکہ امریکہ میں بوسٹن نے سال 1838ء میں نیویارک سٹی میں پولیس کا نظام قائم کیا تھا۔ امریکہ میں 40 ہزار نفری پر مشتمل جدید ترین پولیس کا نظام قائم ہے۔ 35 ہزار امریکی قصبات اور دیہات میں پولیس کا نظام قائم ہے۔ (بحوالہ صفحہ نمبر 980 نیو امریکن انسائیکلو پیڈیا تیسرا ایڈیشن سال 1993ء مطبوعہ امریکہ)

آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا کے ایڈیشن 1988ء کے صفحات 626-627 -635-756-812 اور صفحہ نمبر 538 پر پولیس کا ذکر و حوالہ موجود ہے۔

محکمہ پولیس پہلے پہل بنگال کے شہر کلکتہ میں قائم ہوا تھا۔ تب نئے شہر کلکتہ میں ضلعی پولیس قائم ہوئی تھی۔ سال 1791ء لارڈ کارنواس نے پولیس کوڈ تیار کی تھی۔ 1793ء میں پولیس کا پہلا ایس پی مقرر ہوا تھا جبکہ 1818ء میں بنگال کا جیل ایکٹ نافذ ہوا تھا۔ پولیس زمینداروں کی رکھوالی کے لیے چوکیدارہ کیا کرتی تھی۔ امن عامہ کے تحفظ کی ذمہ داری اسے بعد میں تفویض کی گئی تھی۔ پولیس کو صوبائی خود مختاری کے دائرہ کار میں قابل دست اندازی معاملات سے جوڑ کر پنچایتی نظام کا حصہ بنگال میں بنا دیا گیا۔

لارڈ کرزن کے دور میں پولیس کو نظامِ انصاف سے منتقل کر دیا گیا اور اقتدار اعلیٰ کا تحفظ بھی اس کے فرائض میں داخل ہو گیا۔ 1845ء میں کینیڈا کے تجربات سے استفادہ کرتے ہوئے چین سے مستعار لئے گئے سول سروس کے نظام کے تحت آئی سی ایس افسران کے ہاتھ میں پولیس کی نکیل تھما دی گئی۔ پنڈرل مون نے ہندوستان میں ''اجنبی راج'' اور'' ہندوستان کا مستقبل'' نامی اپنی دو کتابوں میں پولیس کے کردار کا ذکر کیا ہے۔ برصغیر جنوبی ایشیاء کے برما سمیت سبھی موجودہ سارک ممالک میں ڈپٹی کمشنروں کا نظام برٹش سیکرٹری آف سٹیٹ اور سیکرٹری ہند کے تحت قائم کیا گیا۔ جھنگ کا ضلع پہلے قائم ہوا اور شیخو پورہ میں پولیس پنجاب کا ہیڈ کوارٹرز آفس قائم کیا گیا۔

محکمہ پولیس پنجاب کی ورکنگ مینوئیل اور پولیس کوڈ نیز پولیس رولز کا مطالعہ کرنے سے 1919ء کے رولٹ ایکٹ برٹش انڈیا قانون کے تحت پولیس کے کردار کی ٹھیک سے کما حقہ تشریح توضیح اور تصریح ہو جاتی ہے۔ آج جبکہ سال 2002ء میں پولیس آرڈر جاری ہو کر عمل آوری کے حتمی مراحل میں داخل ہو رہا ہے تو بعض مسائل اور مشکلات لا ینحل دکھائی دیتے ہیں۔ مگر 1937ء والی پولیس کوڈ، پولیس رولز اور تعزیرات ہند 1939ء والی اگر آج بھی جوں کی توں لاگو کرنے کا بندوبست یقینی بنایا جائے تو پولیس کمشنر اور لیفٹیننٹ گورنر ہر ضلع کے لیے مقرر کر کے بجا طور پر محکمہ پولیس کو جدید اور قدیم کے امتزاج سے ہم آہنگ کر کے جرائم، دہشت گردی، انتہا پسندی اور ہر قسم کی تخریب کاری نیز مذہبی و سیاسی تشدد، غدر اور ایمرجنسی اور میوٹنی پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ محکمہ پولیس جس طرح انگریزوں نے چلایا صرف اسی طور طریقے سے چلایا۔ اسے ڈھنگ سے مزید منظم اور موثر بنایا جا سکتا ہے۔ تعزیراتِ ہند اصلی شکل وصورت میں 1861ء کے پولیس ایکٹ اور 1931ء کے جیل مینوئیل اور جیل ایکٹ 1818ء کے تحت جرائم، جرم پرور، جرائم پیشہ، سماج دشمن اور قانون شکن عناصر کو قابو میں لایا جا سکتا ہے۔ اجتماعی جرمانوں کے علاوہ 1924ء والا پنچایتی نظام لاگو کرنے سے ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کے جدید نظام کو زیادہ مستحکم، فعال اور مفید بنایا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں بنگال کی 1888ء والی پارلیمنٹ کی طرز پر ڈسٹرکٹ اسمبلیوں کا نظام بھی متعارف کرایا جا سکتا ہے۔ پنچایتی کھیا آج بھی بہتر عدالتی ریلیف مہیا کر سکتا ہے۔ امریکہ، برطانیہ اور عالمی اتحاد، دہشت گردی کے خلاف جو تیسری عالمی جنگ چھیڑے ہوئے ہے اس کی بہتر موثر اور مفید ترین معاونت بھی پاکستان کا موثر داخلی پولیس نظام ہی کر سکتا ہے۔ مجرموں کو ہیرو سے زیرو بنانے کے لیے انگریزوں کے انتظامی طور طریقوں اور پولیس سسٹم سے استفادہ کرنا از بس ضروری ہے۔ شرعی سزاؤں کے لیے سعودی شاہی نظام ضروری ہے۔

دہشت گردی کے خلاف اقدامات

ہر چند کہ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ ہر قسم کی عیاں و نہاں دہشت گردی، تخریب کاری، انتہا پسندی، قانون شکنی اور عسکریت پسندی یا مہم جوئی اور بنیاد پرستانہ طالع آزمائی نیز جہادی جنگجوئی سراسر ایک سوہانِ روح عالمی فکر و تشویش کا حامل مسئلہ ہے۔ پاکستان اور امریکی عالمی اتحاد نے دہشت گردی اور انتہا پسندی کے فتنۂ زرگری کو مٹانے اور نیست و نابود کرنے کے لئے لوجسٹیکل ملٹری سپورٹ کا کمپوزٹ شیڈول معاہدۂ اشتراک طے کر رکھا ہے۔ امریکہ اور برطانیہ نے دنیا کے 45 ملکوں کے تعاون و اشتراک سے دہشت گردی کے خلاف تیسری طویل ترین عالمی جنگ کا آغاز ستمبر 2000ء سے شروع کر رکھا ہے، جس نے ابھی تک افغانستان اور عراق کے دو عالمی محاذوں پر فیصلہ کن فوج کشی کی ہے اور اب دنیا میں کسی تیسرے علاقے میں فوج کشی کا منصوبہ روبہ عمل لانے کی تیاریاں تکمیل کے آخری مراحل میں ہیں۔ کسی ملک کی فوج اور انتظامی مشینری کے بس میں نہیں ہے کہ وہ تنہا فکر و نظر یا انتہا پسندانہ فلسفے کے آثار و علامات مٹانے کی جنگ لڑ سکے۔ یہ ایک عالم گیر بحرانی سنگین معاملہ اور انسانیت کے لئے کھلا چیلنج ہے جس کے لئے اجتماعی کوششیں درکار و مطلوب ہیں۔ اس حوالے سے امنِ عامہ کے محاذ پر پاکستان جیسے غریب ترقی پذیر اور معاشی طور پر بے سہارا اور محدود وسائل کے حامل ملک

کے لیے یہ قطعاً اور ہر گز ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ دہشت گردی اور انتہا پسندی کے خلاف فیصلہ کن کردار ادا کر سکے۔ امریکہ جیسے عالمی فوجی سرخیل اور امیر ترین ملک کے لیے بھی یہ معاملہ درد سر بنا ہوا ہے۔ اس کے باوجود پاکستان کی حکومت نے امن عامہ کو سدھارنے کے لیے داخلی محاذ پر خاصی اہم کارروائیاں کی ہیں۔

سال 1978ء سے افغانستان کی خانہ جنگی اور عوامی جمہوریہ ایران کے داخلی بحران اور انتشار نے پاکستان کو دہشت گردی کی گزرگاہ والا خطہ بنا ڈالا ہے جس کی وجہ سے مذہبی انتہا پسندی اور دہشت گردی کی تحریک نے سیاست و معیشت میں کئی خطرناک روپ دھارے ہیں۔ وسائل کا تسلسل کے ساتھ ضیاع اور جان و مال کا نقصان بھی ہوا ہے۔

لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان نے مقدور بھر امکانی کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مذہبی دہشت گردی کو عملاً دبا دیا ہے یا پھر نکیل ڈال دی ہے۔ 1999ء تک دہشت گردی اور انتہا پسندی کی جو بھیانک مکروہ و مذموم ظالمانہ شکل وصورت یا نوعیت، اہمیت اور کیفیت سندھ، پنجاب اور صوبہ بلوچستان میں رہی ہے وہ اب موجود نہیں ہے۔ حکومت پاکستان نے قومی سلامتی کے تحفظ اور استحکام کے ناگزیر مفاد میں جو پالیسی اور عمدہ حکمت عملی اپنائی ہے اس کی وجہ سے داخلی طور پر دہشت گردی اور انتہا پسندی یا تخریب کاری کے واقعات پر قابو پا لیا ہے اور انہیں قابلِ محسوس حد تک محدود یا پھر کم کر دیا ہے۔

انسداد دہشت گردی کی عدالتوں اور دہشت گردی کے بارے میں قانون اور انتظامی عمل داری نے مجرموں کو ہیرو سے زیرو بنانے میں نمایاں کارکردگی رجسٹر کرائی ہے۔ محکمہ پولیس، رینجرز، فوج اور ایلیٹ فورس کے علاوہ قانون نافذ کرنے والے اداروں نے بیرونی ایجنسیوں کے اشتراک و تعاون سے اب تخریب کاروں کو اپنے بچاؤ کی فکر میں مبتلاء کر دیا ہے۔ دہشت گرد جائے فرار اور راہِ فرار تلاش کرنے میں سرگرداں ہیں۔ یقیناً پاکستان میں ابھی تک فکری اور نظری اعانت سیڈیشن زدہ ابلاغیات کے باوصف موجود اور جوان ضرور ہے مگر اب بندوق کے پاس کندھے کم پڑنے لگے ہیں۔ پاکستان کی حکومت نے امریکہ کے مقابلے میں داخلی محاذ پر دہشت گردی کو قابو کرنے میں نمایاں حد تک شاندار کامیابی دکھائی ہے۔

انتہا پسندانہ عسکری سیاسی مذہبی اور جوشیلے اتحادی رجحانات پر ضربِ کاری لگی ہے۔ لوگوں کے جان و مال کا تحفظ یقینی بنانے کی کوششوں کو بڑھاوے کی تقویت ملی ہے۔ ابھی اس سمت میں سفر جاری و ساری ہے۔ تیسری عالمگیر جنگ میں پاکستان حصہ بقدر جثہ ڈال رہا ہے۔ بگاڑ سے سدھار کا عمل تعمیر کشید کیا جا رہا ہے۔

پنجاب کے محکمہ پولیس نے خود کو آنے والے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے منظم اور تیار کر لیا ہے تاکہ کسی بھی سنگین چیلنج کا مقابلہ کیا جا سکے۔

پاکستان کے چاروں صوبوں میں قانون شکن عناصر اب اپنی بقاء کی آخری جنگ لڑ رہے ہیں۔ ان کا انداز اور وطیرہ یا طریقۂ جنگ بدل رہا ہے۔ اب ابلاغیات کے محاذ پر ان کی سرگرمیاں قابو میں لانے کا آخری مرحلۂ جنگ درپیش ہے۔

حکومت پاکستلن کو سرحد پار دہشت گردی کی درآمد اور برآمد روکنے کا معاملہ درپیش ہے۔ جس کے لیے اس کی مشینری اپنے ہدف کو پانے کے لئے سعی ہائے جملہ دن رات کرنے میں مصروف اور سرگرم عمل ہے۔ صدر مملکت جنرل پرویز مشرف

نے اپنے حالیہ امریکی دورے میں امریکی صدر مسٹر جارج بش کو اپنی عملی مشکلات سے آگاہ کرتے ہوئے یہ بھروسہ اور امید دلانے میں زوردار استدلال پیش کیا ہے کہ پاکستان کی حکومت اپنے قول وقرار نبھائے گی اور عہد و پیمان کی حرمت کی لاج ہر حال میں برقرار رکھے گی۔ محکمہ پولیس کو جدید ترین اسلحہ جات اور فنی وسائل سے بہرہ مند کیا جارہا ہے۔ لہذا اب وہ وقت ہرگز کچھ زیادہ دور نہیں جبکہ پاکستان ہر قسم کی دہشت گردی کے خاتمے کی مہم میں کامیابی اور فیصلہ کن کامرانی کی سبقت حاصل کرے گا۔ جس کے لئے حکومت نے پہلو دار حفاظتی کارروائیاں منظم انداز سے بھرپور پیمانے پر شروع کر رکھی ہیں۔ محکمہ پولیس پنجاب نے شاہراہوں اور بڑی گزرگاہوں پر پولیس پٹرولنگ کی 472 چوکیاں قائم کرنے کا منصوبہ 150 کروڑ روپے کی لاگت سے منظم و سرگرم کرکے یہ امید بندھا دی ہے کہ جلد ہی امن عامہ کے محاذ پر حکومت پاکستان اپنے مطلوبہ مقاصد حاصل کرلے گی۔ جس سے پاکستان کا عالمی وقار سربلند ہوگا اور اس کی موثر کارکردگی کی بدولت جمہوری تمدن کو لاحق عالمگیر دہشت گردی کا خطرہ ختم کرنے میں مدد ملے گی۔ آنے والے برسوں میں حکومت کی کارکردگی میں بہتری کے آثار نمایاں ہیں۔ عوام میں تحفظ کا احساس فزوں تر ہے۔

پنجاب پولیس کی پٹرولنگ چوکیوں کا نیا نظام

تحفظ اور قانون کی حکمرانی کی جانب انقلابی پیش رفت

موجودہ نیا سول جمہوری نظام سپریم کورٹ آف پاکستان کے فیصلے کے بموجب قانون ضرورت کے نتیجے میں قائم ہوا ہے۔ 12 اکتوبر 1999ء کو فوجی انقلاب برپا کرنے کے بعد تب کے چیف ایگزیکٹو اسلامی جمہوریہ پاکستان اور ریفرنڈم کے نتیجے کے تحت بننے والے موجودہ صدر جنرل پرویز مشرف نے ملک کے اندر حقیقی جمہوریت کے قیام و نفاذ کو یقینی بنانے کے لئے اداروں کی ٹوٹ پھوٹ کے عمل کو روکنے کے لئے جو سات نکاتی جامع ایجنڈا پیش کیا تھا اسے عدلیہ سمیت تمام سیاسی جماعتوں اور ریفرنڈم کے ذریعے پوری قوم نے حق بجانب اور لائق تسلیم نیز قابل عمل جانتے ہوئے بسروچشم قبول کرلیا تھا۔ چنانچہ اس کے تحت اصلاحات کا مرحلہ وار عمل شروع کیا گیا جو کہ اب رُو بہ ترقی ہے۔

ملک کے اندر عمدہ حکمرانی، انصاف کی بالادستی، قانون کی حاکمیت اور بہتر مستحکم نیا نظام متعارف کراتے ہوئے انتظامی اصلاحات کے ضمن میں محکمہ پولیس کو بھی عوامی امنگوں کے مطابق بہتر بنانے اور سنوارنے کی کوشش کی گئی۔ لہذا وائٹ پیپر نومبر 2002ء کے مطابق محکمہ پولیس میں اصلاحات کی گئیں۔ اکتوبر 2002ء میں پولیس آرڈر جاری کیا گیا جس پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ صوبہ پنجاب کی حکومت نے امن عامہ کو اپنی انتظامی ترجیحات میں سرفہرست جگہ دی ہے۔

یہ حقیقت کسی ہوش مند سے قطعاً پوشیدہ نہیں ہے کہ پاکستان کی آدھے سے زیادہ آبادی صرف صوبہ پنجاب میں رہتی ہے۔ سات کروڑ تیس لاکھ سے زیادہ لوگ صوبہ پنجاب میں بستے ہیں۔ ان کی اکثریت محنت کش زرعی زندگی سے وابستہ دیہات میں مقیم ہے۔ صوبہ پنجاب کو 34 اضلاع میں بانٹا گیا ہے۔ اس کا کل رقبہ دو لاکھ پانچ ہزار مربع کلومیٹر ہے۔ جبکہ شہروں اور دیہاتوں کو ملانے والی سڑکوں کی مجموعی لمبائی چالیس ہزار کلومیٹر سے بھی زیادہ ہے۔ انتظامی طور پر

امن عامہ کے قیام کے سلسلے میں محکمہ پولیس پنجاب کو آٹھ ہزار علاقہ جات میں تقسیم کیا گیا ہے۔صوبہ پنجاب کی مختلف سڑکوں اور شاہراہوں پر ہونے والی مجرمانہ وارداتوں خصوصاً ڈکیتی اور قتل و غارت گری کے واقعات مکمل اور موثر کنٹرول' بے ہنگم اور تیز رفتار ٹریفک کی وجہ سے روز افزوں حادثات کی صورت میں زخمیوں کو فوری طبی امداد بہم پہنچانے اور ضروری حد تک فوری مناسب ممکنہ ابتدائی' قانونی امداد دینے اور کارروائی کرنے کے لئے انسپکٹر جنرل پولیس پنجاب نے صوبے بھر کی شاہراہوں اور مصروف گزرگاہوں پر 472 پٹرولنگ چوکیاں قائم کرنے کی ہدایت کی ہے۔جس پر کماحقہ لوگوں کی تسلی اور سہولت کے مطابق عمل درآمد کیا جا رہا ہے۔پنجاب کی حکومت نے وارداتوں اور حادثات کی مکمل اور موثر روک تھام کے لیے ان پٹرولنگ پولیس چوکیوں کے قیام کے منصوبے کو قابل عمل قرار دیا اور عوامی مفاد میں سراہا بھی ہے اور فوری طور پر اس پروگرام کی منظوری بھی دے دی ہے۔

پولیس پٹرولنگ چوکیوں کے قیام کے لئے مجوزہ شاہراہوں کا انتخاب کرتے وقت اس بات کو مدنظر رکھا گیا ہے کہ کس رینج میں جرائم کی شرح بہت ہی زیادہ ہے اور یہ کہ جرائم کا ارتکاب کہاں نسبتاً کم ہے۔اس طرح پولیس پٹرولنگ چوکیوں کی تعداد کے چناؤ میں آسانی ہوگئی ہے۔عظیم قومی موٹروے اور نیشنل ہائی وے پر الگ پولیس موجود ہونے کی وجہ سے وہاں پر پولیس پٹرولنگ چوکیاں نہیں بنائی گئی ہیں۔تاہم مختلف شہروں سے نکلنے والے بائی پاس سڑک کے راستوں اور بڑی شاہراہوں پر ہر 20 سے 30 کلومیٹر کی دوری پر پولیس پٹرولنگ چوکیاں قائم کی جا رہی ہیں۔ان جدید ترین سہولیات سے آراستہ پولیس پٹرولنگ چوکیاں بنانے کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ شہروں اور قصبات میں پولیس تھانے پہلے ہی سے موجود ہیں۔جبکہ شاہراہوں پر سفر کرنے والوں کی سیکورٹی کے لئے کوئی مناسب انتظام موجود نہیں تھا۔اس کے علاوہ قومی موٹر وے پولیس بھی اپنے فرائض احسن طریقے سے سرانجام دے رہی ہے۔تاہم مختلف شہروں سے نکلنے والی بڑی شاہراہوں اور ان سے ملحقہ سڑکوں پر آئے روز رہزنی' ڈکیتی' اغواء اور قتل کی مجرمانہ وارداتیں اکثر رونما اور وقوع پذیر ہوتی رہتی ہیں۔کیونکہ ان سڑکوں پر سیکورٹی کے مناسب انتظامات نہیں ہوتے تھے۔

جب پنجاب پولیس کی پٹرولنگ چوکیاں ہر 20 سے 30 کلومیٹر کی دوری پر موجود اور تعینات ہوں گی تو پھر مجرموں اور سماج دشمن عناصر وارداتیوں پر چیکنگ کا نظام مرتب ہو جائے گا۔اس کی وضاحت یوں ہو سکتی ہے کہ ایک شخص اپنی فیملی کے ساتھ کسی شاہراہ پر جا رہا ہے۔اگر اسے راستے میں کسی ڈاکو رہزن یا لیٹروں کے گروہ نے لوٹ لیا ہے تو وہ فوراً ہی قریبی پولیس پٹرولنگ چوکی پر اس کی اطلاع دے گا' متعلقہ پولیس پٹرولنگ چوکی میں موجود اور تعینات وائرلیس سسٹم سے پوری طرح لیس تمام پولیس پٹرولنگ چوکیوں اور متعلقہ تھانوں تک اس واردات کی اطلاع فوری طور پر دے دی جائے گی۔

اردگرد کی پولیس پٹرولنگ چوکیوں کے جملہ چاق و چوبند اہل کار بھی چوکنا ہو جائیں گے۔ملزمان کی گرفتاری کے لئے فوری کارروائی کی جائے گی۔چونکہ تمام شاہراہوں پر پولیس پٹرولنگ چوکیاں موجود ہوں گی' اس لئے ملزمان فرار ہونے کے لئے شاہراہ کا استعمال کرنے کی بجائے نزدیکی علاقوں کی طرف ہی بھاگیں گے۔جس کے بعد پولیس کو واردات کے علاقے کے اردگرد

محدود علاقے میں ملزمان تلاش کرنے میں آسانی رہے گی۔اس کے ساتھ ہی ساتھ ٹریفک حادثات میں زخمی ہونے والے افراد کو بروقت طبی امداد بہم پہنچائی جا سکے گی۔ رواں مالیاتی سال بابت 2003-04 کے دوران بننے والی پولیس پٹرولنگ چوکیوں کی تعداد کی تفصیل کچھ یوں ہے:

لاہور میں 17 ‘ سرگودھا میں 81 ‘ گوجرانوالہ میں 73 ‘ راولپنڈی 68 ‘ فیصل آباد کی پولیس رینج کے دائرہ کار میں 54 ‘ ڈیرہ غازی خان 50 ‘ ملتان 48 ‘ شیخوپورہ 43 ‘ اور بہاولپور میں 38 پولیس چوکیاں پٹرولنگ کے لئے قائم کی جارہی ہیں۔

آئی جی محکمہ پولیس پنجاب کی ہدایت پر وزیر اعلیٰ پنجاب کے منظور کردہ منصوبے کے تحت ایک پولیس پٹرولنگ چوکی کے عملے اور اسلحہ کا چارٹ کچھ یوں ہے:

سب انسپکٹر ایک‘ پسٹل 4 عدد اسسٹنٹ پولیس سب انسپکٹر‘ ایک رائفل جی تھری 6 عدد ہیڈ کانسٹیبل پولیس 3 ‘ ایس ایم جی 6 عدد پولیس کانسٹیبل 20 ‘ سنگل پسٹل 4 ‘ ڈرائیور 2 چوکی پر موجود سہولیات امدادی عملہ 2 ‘ بیس سیٹ ایک عدد‘ کل تعداد 29 موبائیل سیٹ ایک عدد‘ واکی ٹاکی سیٹ دو عدد اور پک اپ ایک عدد۔ان مجوزہ 472 پولیس پٹرولنگ چوکیوں کے لئے نئی بھرتی کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی خصوصی تربیت بھی کی جارہی ہے۔مجوزہ حفاظتی منصوبے کے مطابق 472 سب انسپکٹر اور اتنے ہی اسسٹنٹ پولیس سب انسپکٹر 1416 6 کانسٹیبل 944 ڈرائیور اور 1416 امدادی عملے کے ارکان۔

صوبہ پنجاب کی شاہراہوں پر ڈکیتی‘ رہزنی اور قتل ڈاکے یا گاڑی چھیننے کی وارداتوں کے سدّباب کے لئے یہ عملہ گاڑیوں پر اور پیدل بھی مسلسل گشت کرنے کا ذمہ دار ہوگیا۔ہر پولیس پٹرولنگ چوکی پر ایک سب انسپکٹر پولیس ایک اسسٹنٹ سب انسپکٹر پولیس 3 ہیڈ کانسٹیبل 20 کانسٹیبل 2 ڈرائیور اور 2 امدادی عملے کے ارکان موجود تعینات کئے جا رہے ہیں۔پنجاب میں 150 کروڑ روپے خرچ کئے جارہے ہیں اور دس ہزار سے زیادہ مطلوبہ پولیس اہل کار بھرتی کرنے کے اقدامات مکمل ہو چکے ہیں۔پولیس پٹرولنگ چوکیوں کی تعمیر کا آغاز کر دیا گیا ہے۔لاکھوں ڈالر مالیت کا اسلحہ بھی خریدا جارہا ہے۔

ان تمام کارروائیوں کا صرف یہی ایک بنیادی مقصد اور نصب العین ہے کہ ہر قیمت پر لوگوں کے جان و مال‘ عزت و ناموس اور سلامتی کے ناگزیر تحفظ کو یقینی بنایا جا سکے۔ لوگوں میں احساس تحفظ پیدا کیا جا سکے۔یقیناً موٹروے پر جدید تربیت اور سہولیات سے تعینات پولیس کی کارکردگی خاصی اہم اور بے حد پسندیدہ بلکہ عمدہ ہے۔اس تجربے کی روشنی میں پٹرولنگ پولیس چوکیوں کے قیام سے بجا طور پر مجرمانہ وارداتوں پر قابو پانے میں مدد ملے گی اور لوگوں کو تحفظ مل سکے گا۔سفر آسان اور خطرات سے پاک ہوگا اور کوئی بھی مجرم قانون کی گرفت اور فولادی پنجۂ احتساب سے ہرگز نہ بچ سکے گا۔انصاف کی کامرانی‘ قانون کو عمل داری اور عمدہ طرز حکمرانی کو نئی آبرومندانہ شناخت اور قانون کی بالا دستی کو نیا نام مل سکے گا۔جدید دور میں اس قسم کے اقدامات مہذب اور متمدن قوموں کا شعار اور جمہوری معاشرت کی ضرورت ہیں تاکہ دہشت گردی‘ قانون شکنی اور مہم جویانہ انتہا پسندی کو نکیل ڈالی جا سکے۔ جمہوری نظام کی کامیابی کے لئے امن عامہ لازمی بنیادی اور اولین ترجیح ہے۔آئی جی پولیس کے منصوبے کا مقصد بھی یہی ہے کہ پاکستان کا وقار بڑھے۔

وزارت محنت' افرادی قوت اور اوورسیز پاکستانیز کی کارکردگی

محنت افرادی قوت و سمندر پار پاکستانی ڈویژن کے مرکزی وظائف میں پالیسی و قانون سازی جس میں محنت کشوں کے تمام مسائل خصوصاً جبری مشقت اور مشقتِ اطفال کا خاتمہ' تعلیم و تربیت کے ذریعے افرادی قوت کی ترقی' پاکستانیوں کے لیے سمندر پار ملازمت کے مواقعوں کی تلاش' سمندر پار پاکستانیوں کی بہبود اور بین الاقوامی مزدور تنظیموں کے ساتھ ربط شامل ہیں۔ وزارت کی کارکردگی اور کامیابیاں درج ذیل ہیں۔

☆ انضمام' سادہ و موزوں بنانے کے ذریعے تقریباً 59 قوانین کو 6 وسیع زمروں میں تقسیم کرنے کا عمل جاری ہے۔

☆ معمر افراد کی بہبود کا ادارہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو پینشن کی سہولت فراہم کر رہا ہے اور اس وقت 11.538 ملین روپے ماہانہ مختلف مدوں میں ادا کیے جا رہے ہیں۔ اولڈ ایج پینشن سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد 162,363 ہے اور انہیں 110.2 ملین روپے کی رقم ادا کی جارہی ہے۔

☆ ورکرز ویلفیئر فنڈ 79 ہاؤسنگ اسکیمیں مکمل کر چکا ہے جبکہ 26 جاری ہیں۔ اسی طرح 35.120 پلاٹ اور 31 اسکیمیں تیار کی گئیں ہیں۔ تعلیم کے شعبے میں 158 سکول مکمل ہو چکے ہیں اور 34 جاری ہیں۔ صحت کے میدان میں 31 صحت مراکز قائم کیے گئے ہیں اور 24 زیرِ تعمیر ہیں۔ او پی ایف نے تین کالج اور 21 پبلک سکول قائم کئے ہیں جن میں بالترتیب 4,037 اور 7,621 طلبہ زیرِ تعلیم ہیں۔ یہ 57,898 افراد کو ٹیکنیکل ٹریننگ مہیا کرتی ہے جس میں 1142 افراد کے لئے انفارمیشن ٹیکنالوجی کی تربیت شامل ہے۔ صحت کے شعبے میں آنکھوں کے دو ہسپتال قائم کیے گئے ہیں۔ جن میں 114,000 مریضوں کا علاج کیا جا چکا ہے۔ 6 ہاؤسنگ اسکیمیں بھی مکمل کی گئی ہیں جن کے علاوہ 6,296 پلاٹ تیار اور 5,491 پلاٹ الاٹ کئے جا چکے ہیں۔ اس طرح کی مزید اسکیمیں بھی جاری ہیں۔

☆ او پی ایف سمندر پار پاکستانیوں اور ان کے زیرِ کفالت افراد کی معاونت بھی کرتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کے ذاتی مسائل مثلاً بجلی و گیس کے کنکشن' اراضی کے تنازعات وغیرہ جیسے مسئلے بھی حل کیے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں سمندر پار انتقال پا جانے والے 97 پاکستانیوں کے جسدِ خاکی بذریعہ ہوائی جہاز اور 613 بذریعہ ایمبولینس وطن لائے گئے۔ اسی طرح 24,086 شکایات موصول ہوئیں جن میں سے 13,080 شکایات رفع کی گئیں۔

☆ او پی ایف واجبات کی ادائیگی میں بھی حصہ لیتا ہے اور اب تک 800 ملین

روپے اس ضمن میں ادا کیے جا چکے ہیں۔ قانونی راستوں سے رقم کی وطن ترسیل کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے کئی اسکیمیں جاری کی گئی ہیں۔او پی ایف خلیجی جنگ کے چالیس تا پچاس ہزار متاثرین کو معاوضے کی ادائیگی کے دیرینہ مسئلے میں بھی اقوام متحدہ کے ادارے یو این سی سی سے رابطہ کرتی ہے۔

☆ اوورسیز ایمپلائمنٹ کارپوریشن اب تک 129,125 افراد کو نمایاں کیٹگریز میں مشرق وسطیٰ و دیگر ممالک بھیج چکی ہے۔

☆ سال 2003ء کے دوران لائسنس یافتہ اوورسیز ایمپلائمنٹ پروموٹرز کے ذریعے مختلف پیشوں میں 214,039 افراد کو مشرق وسطیٰ اور دیگر ممالک میں بھیجا گیا۔

☆ حکومت پاکستان اور ملائشیا کے درمیان اکتوبر 2003ء میں طے پانے والا معاہدہ یکم مارچ 2004ء سے موثر ہے جس سے ہنر مند، نیم ہنر مند افراد ملائشیا بھیجنے کی سہولت حاصل ہوگی۔

☆ سمندر پار پاکستانیوں کی بہبود بیورو آف امیگریشن اینڈ اوورسیز ایمپلائمنٹ کے ذمے ہے۔ بیرونِ ملک جانے والا ہر امیگرینٹ صرف -/650 روپے کی ادائیگی کے عوض اسٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن سے دو سال کے لئے بیمہ یافتہ ہوتا ہے جس کی مالیت تین لاکھ روپے ہے۔اب تک انشورنس کے معاوضے کی مد میں 5,847 خاندانوں کو 637 ملین روپے کی ادائیگی کی گئی ہے۔

☆ تربیتی اداروں کو مزید موثر بنایا گیا ہے۔نیشنل ٹریننگ بیورو نے اب تک مردوں کے لئے 98 اور خواتین کے لئے 5 پیشہ ورانہ تربیتی ادارے قائم کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر کئی سرگرمیاں بھی سرانجام دی ہیں۔

☆ ڈاک ورکرز سیفٹی کے موثر نفاذ سے جان لیوا حادثات میں خاطر خواہ کمی ہوئی ہے 1970ء میں 496 سے 2003ء تک صرف 25 رہ گئے ہیں۔

☆ پاکستانی مین پاور انسٹی ٹیوٹ اب تک بے شمار تربیتی کورس، سیمینارز، ورک شاپس اور تحقیقی مطالعہ جات کروا چکا ہے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ٹریننگ کورس	140
سیمینارز، ورک شاپس	35
تربیت یافتگان	6,070
تحقیقی مطالعہ جات	35

نیشنل انڈسٹریل ریلیشنز کمیشن گزشتہ تین سال کے دوران این آئی آر سی نے 213 ٹریڈ یونینوں، فیڈریشنوں کی رجسٹریشن کی اور پانچ ریفرنڈم منعقد ہوئے۔اسی طرح این آئی آر سی نے اسی عرصہ میں صنعتی تنازعات/غیر منصفانہ برتاؤ اور اپیل کے 4,973 معاملات نمٹائے۔

اخبارات کے ملازمین کے لئے امپلیمنٹیشن ٹربیونل نے گزشتہ تین سال میں درج ذیل معاملات کا فیصلہ کیا۔

395	2001ء
394	2002ء
860	2003ء

فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن اور ملکی تعمیر و ترقی

میجر (ریٹائرڈ) زاہد اسلم راجہ

فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن کی تعمیراتی سرگرمیاں ہمیشہ کی طرح خوب سے خوب تر کی تلاش میں جاری و ساری ہیں۔ اگر ہم سال 2003ء کی فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن کی کارکردگی پر نظر دوڑائیں تو ہمیں فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن کے کارنامے واضح دکھائی دیتے ہیں۔اس سال فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن نے وادیٔ غذر روڈ کی تعمیر بڑے احسن طریقے سے مکمل کی ہے۔مکران کی ساحلی شاہراہ انڈس لنک مرحلہ نمبر 2 اور تین ڈیرہ اللہ یار روڈ' رحیم یار خان' ترنڈہ محمد پناہ اور سکردو دیوسائی چلم چوکی روڈ انتہائی اہمیت کے حامل قومی منصوبے مکمل کیے۔سڑکیں کسی بھی ملک کی ترقی کے لئے بہت ہی اہم جزو ہوتی ہیں۔اچھے مواصلاتی ذرائع کے بغیر ترقی کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔اہم منصوبوں کی بروقت تکمیل سے نہ صرف علاقے میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں بلکہ ان سے ملکی معیشت کو بھی فروغ ملا ہے۔مزید براں ان منصوبوں کے پاکستان کی ترقی پر بالعموم اور علاقے کی ترقی پر بالخصوص دوررس نتائج مرتب ہوں گے۔

مکران کوسٹل ہائی وے منصوبہ لیاری اور ماڑہ سیکشن

لیاری اور ماڑہ سیکشن کے کام کا آغاز جناب صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف کے دستِ مبارک سے افتتاح کے بعد جولائی 2000ء میں شروع ہوا۔اس سڑک کی لمبائی 243 کلو میٹر ہے۔ جس میں 67 پل' 7320 پلیاں اور 330 کازوے شامل تھے۔یہ کام جون 2003ء میں 906 بلین روپے کی لاگت سے مکمل ہو چکا ہے۔بعد ازاں فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن کو سڑک کے دونوں جانب تین تین میٹر پٹری بچھانے کا کام سونپا گیا۔منصوبے پر کام زوروشور سے جاری ہے اور انشاء اللہ مقررہ مدت سے پہلے مکمل ہوجائے گا۔

پسنی گوادر سیکشن

اس منصوبے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف نے 17 اگست 2001 کو اپنے ہاتھوں سے اس منصوبے کا افتتاح کیا۔اس منصوبے سے پہلے پسنی اور گوادر تک کا سفر 5 سے 7 گھنٹوں میں بڑی مشکل کے بعد مکمل ہوتا تھا۔بھاری ٹریفک یا ٹریلر اس راستے سے نہیں گزر سکتے تھے۔بہر کیف فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن نے اس انتہائی کٹھن' مشکل اور غیر آباد علاقے میں تمام مشکلات کے باوجود بڑی خوش اسلوبی سے خندہ پیشانی کے ساتھ کام شروع کیا۔سڑک کی تکمیل سے علاقے میں اقتصادی ترقی کا نیا دور شروع ہوگا۔فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن کو

جب یہ کام سونپا گیا تو اس میں لاگت کا اندازہ 2.888 ملین روپے لگایا گیا تھا۔ 122.7 میل لمبی اس سڑک پر اسفالٹ بچھانے کا کام مکمل ہو چکا ہے اور تمام پلوں کی تعمیر مقررہ مدت کے اندر مکمل ہو چکی ہے۔

5 مارچ 2004ء کو وائس چیف آف آرمی سٹاف جنرل محمد یوسف خان نے مکران ساحلی شاہراہ منصوبے پسنی گوادر کا خصوصی دورہ کیا۔ اس دورے کے دوران وائس چیف نے فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن کے جوانوں اور افسروں کی کارکردگی کو بہت سراہا۔

لیاری ایکسپریس وے پراجیکٹ

اس انتہائی اہم اور بڑے منصوبے پر کام کا آغاز 11 مئی 2003ء کو ہوا۔ اس کی لاگت کا تخمینہ 4.82 بلین روپے ہے۔ کراچی کے وسط سے گزرنے والی یہ سڑک ٹریفک کے بڑھتے ہوئے بہاؤ میں سہولت پیدا کرے گی۔ یہ سڑک کراچی کی بندرگاہ کو سپر ہائی وے سے ملائے گی۔ اس کی لمبائی 32.155 کلومیٹر ہے۔ منصوبے کے حجم اور پھیلاؤ نے تعمیراتی سرگرمیوں میں کچھ پیچیدگیاں پیدا کی ہیں لیکن رکاوٹوں اور مشکلات کے باوجود فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن اس منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچا رہی ہے۔

اب تک فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن کو ساڑھے آٹھ کلومیٹر سڑک پر کام کرنے کو کہا گیا ہے۔ سڑک کے بقیہ حصے کو حوالے کرنے میں تاخیر سے تعمیراتی کاموں میں پیش رفت کا عمل متاثر ہوا ہے۔ جس کی بڑی وجہ سڑک پر تجاوزات اور متاثرہ لوگوں کی دوبارہ آباد کاری ہے۔ اب تک ہونے والے کام میں 4.10 کلومیٹر سڑک کی فرش بندی 3.6 کلومیٹر سب بیس ایگری گیٹ بیس اور اسفالٹ بچھانے کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ 16 پُلوں میں سے ایک پُل مکمل ہو چکا ہے جبکہ 15 اور ہیڈ پُلوں کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ 13 باکس کلورٹس (پانی کے اخراج کے لئے زمین دوز نالیاں اور 5 پائپ کلورٹس مکمل ہو چکے ہیں جبکہ باقی 43 باکس کلورٹس اور 38 پائپ کلورٹس پر کام ہو رہا ہے۔ سہراب گوٹھ، منگھو پیر، سر شاہ سلیمان اور میر پور انٹر چینج پر کام جاری ہے۔

شمالی علاقہ جات کی سڑکیں

فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن کو شمالی علاقہ جات میں تین سڑکوں کی تعمیر کا کام سونپا گیا، جو 24 مہینوں میں مکمل کیا گیا ہے۔ ان منصوبوں کا افتتاح 29 اگست 2001ء کو صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف نے کیا۔

فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن نے یہ صبر آزما اور انتہائی مشکل کام اپنے ذمے لیا اور سکردو دیوسائی چلم چوکی روڈ، جس کی لمبائی 188 کلومیٹر ہے، کی فرش بندی کا کام سو فیصد مکمل ہو چکا ہے۔ تھلچی، چلم چوکی روڈ کی تعمیر کا کام زلزلے اور بارشوں اور برف باری سے متاثر ہوا ہے۔ اس کے باوجود فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن 83 فیصد کام مکمل کر چکی ہے اور بقیہ سڑک کی تعمیر کا کام موسم سازگار ہوتے ہی مکمل کر دیا جائے گا۔

شاہراہ قراقرم کی مرمت

شاہراہ قراقرم 1978ء میں حویلیاں سے خنجراب تک بنائی گئی تاہم وقتاً فوقتاً قدرتی آفات یعنی لینڈ سلائیڈنگ، مٹی کے تودے گرنے، زلزلے اور سیلاب اسے کافی حد تک نقصان پہنچاتے رہے ہیں۔ گذشتہ سہ ماہی کے دوران 82114 کیوبک میٹر سلائیڈز صاف کی گئیں اور 50168 میٹر سڑک کے کنارے کی مرمت کی گئی۔ 34269 میٹر لمبے بند نالے کھولے گئے اور 247 آبی گزرگاہوں کی صفائی کی گئی۔

سکردو روڈ کی مرمت

یہ سڑک بنگلوٹ سے شروع ہوتی

ہوئی سکردو پر ختم ہوتی ہے۔ پہاڑی علاقے میں واقع ہونے کے باعث مٹی کے تودے گرنے کے واقعات اکثر پیش آتے رہتے ہیں۔ اس لئے اس کی مسلسل مرمت کرنے کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔ یہ سڑک فوجی اور سیر و سیاحت کے نقطہ نظر سے بہت اہمیت کی حامل ہے۔ سکردو روڈ کی معمولی مرمت کا کام بھی جاری ہے۔ شدید بارشوں سے متاثر ہونے والے سڑک کے حصوں کی مرمت کر دی گئی ہے۔ 5152 کیوبک میٹر سلائیڈ کے تودوں کو صاف کر دیا گیا ہے۔ 19500 میٹر سڑک کے کناروں کی مرمت کی گئی ہے۔ 8275 بند نالیوں اور 108 آبی گزرگاہوں کی صفائی کی گئی ہے۔

مانسہرہ ناران روڈ

مانسہرہ ناران روڈ مانسہرہ ناران جھیل کھڈ روڈ کی تعمیر کا کام نیشنل ہائی وے نے 1997 کے دوران فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن کے حوالے کیا۔ یہ سڑک سیر و سیاحت اور قومی نقطہ نظر سے خاص اہمیت کی حامل ہے کیونکہ یہ وادی نیلم کو شاہراہ قراقرم سے ملاتی ہے۔ مانسہرہ سے ناران جھیل کھڈ روڈ 186 کلومیٹر کا ٹکڑا مکمل ہو چکا ہے اور 80 کلومیٹر سڑک نیشنل ہائی وے کے حوالے کی جا چکی ہے۔

رحیم یار خاں ترنڈہ محمد پناہ روڈ

رحیم یار خان ترنڈہ محمد پناہ (N5) دو رویہ کیرج وے پر مشتمل ہے۔ اس منصوبے کی لاگت 3.263 ملین روپے ہے۔ یہ سڑک خصوصی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ یہ شمال کو جنوب سے آنے والے ٹریفک کو دونوں اطراف سے ملانے والا لنک ہے۔ مارچ 2003ء میں اس منصوبے کو مکمل کیا گیا۔ اس سڑک کی لمبائی 64 کلومیٹر ہے اس میں 16 کلومیٹر لمبائی مزید شامل کی گئی ہے۔ جس کی لاگت کا تخمینہ 56.77 ملین روپے ہے۔ یہ منصوبہ نیشنل ہائی وے اتھارٹی کی طرف سے فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن کو دیا گیا ہے۔

ڈیرہ اسماعیل خان مغل کوٹ روڈ (N50)

یہ منصوبہ نیشنل ہائی وے اتھارٹی نے فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن کو 1.773 ملین روپے کی لاگت سے مکمل کرنے کو دیا ہے۔ یہ منصوبہ مارچ 2000ء میں شروع ہوا اور اگست 2004ء میں مکمل ہو جائے گا۔ اس سڑک کی لمبائی 164 کلومیٹر ہے۔

نونال سبی روڈ پراجیکٹ

یہ پراجیکٹ بالکل بنجر غیر آباد غیر موافق موسمی حالات کی وجہ سے بہت مشکل ہے لیکن ان تمام حالات کے باوجود فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن نے 27 اپریل 2000 کو اس منصوبے پر کام شروع کیا۔ اس کی لاگت کا تخمینہ 16.798 ملین روپے ہے۔ اس سڑک کی لمبائی 81 کلومیٹر تھی۔ لیکن بعد میں 5 کلومیٹر مزید ڈیرہ اللہ یار نونال روڈ بھی اس میں شامل کر لی گئی ہے۔ پراجیکٹ پر پورے زور و شور سے کام ہو رہا ہے اور مارچ 2005ء میں مکمل ہو جائے گا۔

ڈیرہ اللہ یار۔ نونال روڈ (N65) پراجیکٹ

نیشنل ہائی وے اتھارٹی نے یہ پراجیکٹ 27 اپریل 2000ء کو فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن کو سونپا۔ یہ سڑک تقریباً 61.60 کلومیٹر لمبی ہے اور اس کی لاگت کا تخمینہ 60.861 ملین روپے ہے۔ فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن نے اپنے تمام وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اس منصوبے کو وقت سے پہلے مکمل کرتے ہوئے اپنی سنہری روایت کو برقرار رکھا۔ 23 فروری 2004ء کو وزیر اعظم پاکستان جناب میر ظفر اللہ خان جمالی نے اپنے ہاتھوں سے اس منصوبے کا افتتاح کیا۔

☆☆☆☆

بجلی سستی کرنے کے منصوبے

کرنل محمد سفیر تارڑ

قیامِ پاکستان کے وقت اس نوزائیدہ مملکت کو بجلی کی صرف 60 میگاواٹ پیداواری صلاحیت حاصل تھی۔ 3 کروڑ 15 لاکھ آبادی کے لیے سالانہ اوسطاً 14 کروڑ 20 لاکھ یونٹ بجلی حاصل ہوتی تھی اور فی کس کھپت ساڑھے چار یونٹ تھی۔ 12 برس کا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد 1959ء میں اس شعبہ کی صوبوں سے واپڈا کو حوالگی کے وقت بجلی کی پیداواری صلاحیت محض 119 میگاواٹ تک پہنچ سکی تھی۔ اس وقت ملک ترقیاتی دور میں داخل ہو چکا تھا اور اسے ایک مضبوط بنیادی ڈھانچے کی ضرورت تھی۔ بنیادی ڈھانچے کا لازمی جزو ہونے کے پیشِ نظر بجلی کی پیداوار میں اضافہ اولین ترجیحات میں سے ایک ہوتے ہوئے بجلی کے ڈھانچے کی تشکیل اور ترقی کو مہمیز لگانے کی ذمہ داری بھی واپڈا کے سپرد کی گئی۔ لہذا واپڈا نے برقی توانائی کی روزافزوں مانگ اور ضروریات کو پورا کرنے کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے بجلی کی پیداوار، ترسیل اور تقسیم کے لیے منصوبوں کی تعمیر و تشکیل کے سفر کا آغاز کیا۔

پیشہ ورانہ حکمت عملی کی موجودگی میں کثیر الجہت مسائل زیادہ دیر تک حل طلب نہ رہے۔ پہلے پانچ سال کے نسبتاً مختصر عرصہ میں بجلی کی پیداواری صلاحیت 119 سے بڑھ کر 636 میگاواٹ اور توانائی کی مقدار 781 ملین یونٹ سے 2500 ملین یونٹ تک جا پہنچی، جبکہ صارفین کی تعداد 2 لاکھ 78 ہزار سے بڑھ کر 6 لاکھ 88 ہزار ہو گئی۔ 1959ء میں ملک میں صرف 609 دیہات بجلی کی سہولت سے مستفید ہو رہے تھے۔ 1965ء تک واپڈا ایک ہزار 882 دیہات کو بجلی کی سہولت فراہم کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

اس ترقیاتی عمل کے نتیجے میں پاکستان میں سماجی، فنی اور معاشی ترقی کے ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔ میکانکی زراعت اور صنعتی عمل کو فروغ ملا اور افرادی معیارِ زندگی میں بہتری آئی۔ ترقیاتی سرگرمیوں کے آغاز کے ساتھ ہی پانی اور بجلی کے شعبوں میں ترقی کا پہیہ تیزی سے گھومنے لگا۔ آنے والے برسوں میں تھرمل اور پن بجلی کے متعدد نئے پیداواری یونٹوں کے قیام سے بجلی کی پیداوار میں بتدریج اضافہ ہوتا چلا گیا اور اس وقت ملک کے برقی نظام میں واپڈا کی اپنی کل پیداواری صلاحیت 16 ہزار 564 میگاواٹ ہے، جس میں 5 ہزار 879 میگاواٹ پن بجلی اور 4 ہزار 685 میگاواٹ تھرمل بجلی کی صلاحیت شامل ہے۔ 450 میگاواٹ استعداد کا حامل غازی بروتھا ہائیڈرو پاور پراجیکٹ تکمیل کے بعد اب پیداوار دے رہا ہے۔ اس کے 290 میگاواٹ فی یونٹ پیداواری صلاحیت کے 5 میں سے 4 یونٹ تجارتی بنیادوں پر قومی گرڈ کو بجلی فراہم کر

رہے ہیں جبکہ مستقبل قریب میں اس کا پانچواں اور آخری یونٹ بھی تجارتی بنیادوں پر پیداواری عمل کا آغاز کردے گا۔ واپڈا کے نظام کی 16 ہزار 634 میگاواٹ استعداد میں سرکاری شعبے میں قائم چشمہ نیوکلیئر پاور پلانٹ اور نجی شعبہ میں بجلی کے پیداواری اداروں (آئی پی پیز) سے حاصل ہونے والی 6 ہزار 70 میگاواٹ صلاحیت بھی شامل ہے۔

سستی پن بجلی کے حصول کے لیے شروع کئے گئے منصوبوں کی بروقت تکمیل کے لئے ہمہ گیر کوششیں جاری ہیں تاکہ معدنی ایندھن کی روز بروز بڑھتی ہوئی قیمتوں کی وجہ سے مہنگی تھرمل بجلی پر انحصار کم کیا جا سکے۔ جس کا واپڈا کے برقی نظام میں تناسب تقریباً 70 فیصد ہے۔ پن بجلی کی پیداوار بڑھانے کی سمت میں قدم بڑھانے کا مقصد برقی توانائی کی قیمتوں کو متوازن بنا کر صارفین کو سستی بجلی فراہم کرنا ہے۔ بجلی کے ترسیلی اور تقسیمی نظام کی توسیع اور تکثیر کے ساتھ ساتھ اس وقت واپڈا کے نظام سے بجلی کے ایک کروڑ 38 لاکھ کنکشن فراہم کیے جا چکے ہیں۔ اس مجموعی تعداد کا 63 فیصد گھریلو کنکشن ہیں۔ علاوہ ازیں 78 ہزار سے زائد دیہات اور آبادیوں کو زندگی کی یہ جدید سہولت بہم پہنچادی گئی ہے۔ اس طرح ملکی معیشت کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت کی حامل زراعت کی ترقی، صنعتی فروغ، تجارتی اور کاروباری سرگرمیوں کی مضبوطی دیہی علاقوں میں لوگوں کو جدید سہولتوں کی فراہمی کا سامان فراہم کرنے کے ساتھ ان کا معیارِ زندگی بلند کرکے انہیں معاشرتی زندگی کے مرکزی دھارے کے اندر لانے میں مددملی ہے۔

واپڈا کے نظام سے برقی توانائی 37 ہزار کلومیٹر طویل ترسیلی لائنوں 649 گرڈ اسٹیشنوں اور تین لاکھ 33 ہزار 800 کلومیٹر تقسیمی لائنوں کے ذریعے ملک کے طول وعرض میں کروڑوں صارفین تک پہنچ رہی ہے۔ پن بجلی کے ارزاں وسیلے کی بھرپور ترقی پاکستان جیسے ملک میں خودانحصاری کے لیے جزو لاینفک ہے۔ توانائی سب سے اہم، ماحول دوست اور قابل تجدید ذریعہ ہے۔ اہلِ پاکستان خوش نصیب ہیں کہ قدرت نے انہیں 40 ہزار میگاواٹ کی حد تک سستی پن بجلی کے وسائل سے نوازا ہے۔

1980ء کے عشرے میں درپیش آنے والی برقی توانائی کی کمی کو پورا کرنے کے لیے کم مدت میں تکمیل پانے والے تھرمل بجلی کے وسیلے کو ترقی دینے پر انحصار کرنا پڑا کیونکہ قدرت کے بے پایاں عطیہ پن بجلی کو ترقی دینے کی راہ میں رکاوٹیں حائل کردی گئیں۔ اس کا منطقی نتیجہ بجلی کے نرخوں میں بے پناہ اضافے کی صورت میں سامنے آیا۔

ہمارے ملک میں معیشت کے پیداواری شعبوں میں ہونے والی سرمایہ کاری کے تسلسل میں بجلی کی طلب میں برقرار اضافے کا رجحان ہے۔ اس کے لیے ترقی اور خوشحالی کی خاطر بجلی کے نرخوں کو صارفین کی پہنچ میں لانے کے لئے پن بجلی کے سستے وسیلے کو ترقی دینا موزوں ترین صورت ہے۔ 1990 کی دہائی کے آخر سے پانی اور بجلی کے وسائل کو ترقی دینے میں اپنا کردار بحال کرنے کے ساتھ واپڈا حکومت کی نئی پالیسی سے مطابقت رکھتے ہوئے بجلی کی بڑھتی ہوئی مانگ کو پن بجلی کے وسیلے سے ترقی دے کر پورا کرنے کی درست سمت میں سفر کا پہلے ہی آغاز کرچکا ہے۔ اس مقصد کے لیے آبی وسائل اور پن بجلی کی ترقی کے عظیم منصوبے ''ویژن 2005'' پر کام جاری ہے۔ سرکاری اور نجی شعبہ میں ترجیحی بنیادوں پر شروع کئے گئے پن بجلی کے منصوبوں میں

منگلا ڈیم کا توسیعی منصوبہ، الائی خان، دبیر اور کیال خواڑ، گولن گول، نیو بونگ، جناح بیراج، مالاکنڈ تھری، متلتان، ورل خواڑ اور ثمرگاہ جیسے منصوبے شامل ہیں۔ ان کی تکمیل سے آئندہ چند برسوں میں قومی گرڈ کے لئے سستی پن بجلی کی قابل قدر استعداد کا اضافہ یقینی ہوگا۔

واپڈا قومی معیشت کے آبی شعبے میں سندھ طاس کے منصوبے کے تحت تربیلا اور منگلا ڈیم، دریاؤں کو آپس میں ملانے والی رابطہ نہروں، بیراجوں اور سائفن کی تعمیر، سندھ طاس منصوبے سے باہر ڈیموں کی تعمیر، سیم اور تھور کے انسداد اور اصلاح اراضی کے منصوبوں کی تشکیل و تعمیر کے تناظر میں آگے بڑھتے ہوئے زرعی شعبے کی ترقی کی خاطر پانی کی قلت کو دور کرنے اور اس کی وافر فراہمی کے لئے نئے آبی ذخیروں کی تعمیر اور پیداواری صنعتی و سماجی و تجارتی شعبوں میں بجلی کی بڑھتی ہوئی مانگ کو پورا کرنے کے ساتھ برقی توانائی کی متوازن نرخوں پر صارفین کو فراہمی کے مقصد سے پن بجلی کی پیداوار کے لئے منصوبوں کی تکمیل میں سرگرمِ عمل ہے۔

واپڈا ملک کا سب سے بڑا ترقیاتی ادارہ ہونے کی حیثیت سے قومی و ملکی معیشت کے تمام پہلوؤں پر محیط ہونے کے ساتھ ساتھ بجلی کے شعبے میں خدمتِ عامہ کا ایک ادارہ بھی ہے۔ ماضی میں کارہائے نمایاں انجام دینے کے امتیازی نشان حاصل کرنے کے تسلسل میں واپڈا آنے والے برسوں میں آبی اور پن بجلی کے وسائل کو ترقی دینے سے وابستہ ذمہ داریوں میں کئی ایک نئے سنگ میل ثبت کرنے کے لئے پُرعزم و پُرجوش ہے اور ان مقاصد کے حصول کی خاطر حقیقی معنوں میں ملک اور قوم کی ایک امتیاز کے ساتھ خدمت کے لیے ترقی کے سفر پر گامزن رہنے کے جذبے سے سرشار اور مستعد ہے۔

☆☆☆☆

ایوان نمائندگان

ارشاد امین

چوہدری انور علی چیمہ

این اے 67 سرگودھا IV

پاکستان مسلم لیگ (ق)

چوہدری انور علی چیمہ جن کا خاندان اپنے علاقے میں شرافت و نجابت کے باعث قابل احترام سمجھا جاتا ہے 2002ء کے عام انتخابات میں مسلسل چھٹی مرتبہ قومی اسمبلی کا رکن منتخب ہونے کا اعزاز رکھتے ہیں۔اس سے پہلے وہ 1985 ,1988, 1990, 1993 اور 1997 کے انتخابات میں قومی اسمبلی کی نشست پر کامیابی سے ہمکنار ہو چکے ہیں۔اس حوالے سے انہیں سدا بہار رکن قومی اسمبلی کہا جاتا ہے۔آپ 28 جون 1935ء کو پیدا ہوئے۔گورنمنٹ ڈگری کالج سرگودھا سے اپنی تعلیم مکمل کی۔1979ء میں ضلع کونسل کے رکن اور وائس چیئر مین منتخب ہوئے۔ 1983ء کے بلدیاتی انتخابات میں دوبارہ ضلع کونسل کے رکن اور پھر چیئر مین منتخب ہوئے۔ان کے صاحبزادے عامر سلطان چیمہ بھی ایک متحرک اور فعال سیاسی رہنما ہیں۔وہ 1988ء سے مسلسل پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوتے آرہے ہیں۔وہ اس وقت پنجاب کی صوبائی کابینہ میں وزیر ہیں۔وہ اس سے قبل بھی صوبائی کابینہ میں نمائندگی کا اعزاز رکھتے ہیں۔ان کی بیگم تنزیلہ عامر چیمہ بھی 2002ء کے انتخابات میں خواتین کی مخصوص نشستوں پر قومی اسمبلی کی رکن منتخب ہوئی ہیں۔یہ خاندان شروع ہی سے پاکستان مسلم لیگ سے وابستگی اختیار کئے ہوئے ہے اور حالیہ انتخابات میں بھی یہ پاکستان مسلم لیگ (ق) کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے ہیں۔

انور علی چیمہ اور ان کے صاحبزادے نے اپنے علاقے کی تعمیر و ترقی اور عوام کی فلاح و بہبود میں ہمیشہ ذاتی دلچسپی لی ہے۔ اس سلسلہ میں صرف اپنے حلقہ نیابت کو پیش نظر نہیں رکھا بلکہ پورے ضلع کے ترقیاتی منصوبے حیرت انگیز مستعدی کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچائے ہیں۔تعلیمی اداروں کے قیام، بنیادی مراکز صحت، نکاسی وفراہمی آب، بجلی کی فراہمی اور دیگر بنیادی سہولتوں کی فراوانی کے بندوبست میں ان کی خدمات کا سب لوگ اعتراف کرتے ہیں۔ بیروزگاری کے خاتمے کے لیے نہ صرف اپنے علاقے کے پڑھے لکھے نوجوانوں کو سرکاری ملازمتیں دلوائیں بلکہ علاقے میں صنعتی ترقی کے لیے بھی کاوشیں جاری رکھیں تاکہ ہنر مند و غیر ہنر مند طبقہ کو اپنے ہی علاقے میں باعزت روزگار کی سہولت مل سکے۔ان خدمات کے حوالے سے علاقے کے لوگ انہیں مسیحا کا درجہ دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ پچھلے بائیس سال سے انہیں عوام بار بار اپنے اعتماد سے نوازتے ہیں۔

آپ ایک تجربہ کار پارلیمنٹرین ہیں اور ایوان کی کارروائی میں بھر پور حصہ لیتے ہیں۔اہم قومی وبین الاقوامی امور پر ان کی مدبرانہ رائے کو ہمیشہ بڑی توجہ سے سنا جاتا ہے۔وہ ملک کی ترقی و خوشحالی اور جمہوری اقدار کے فروغ کے لیے کئی قابل قدر تجاویز اپنی پارلیمانی پارٹی کے اجلاسوں اور ایوان میں پیش کرتے رہتے ہیں۔ان کی اہم سیاسی وسماجی خدمات کی وجہ سے انہیں گذشتہ دور میں قومی اسمبلی کی دو اہم مجالس قائمہ برائے مواصلات اور منصوبہ بندی وترقی کا رکن بنایا گیا۔اس وقت بھی وہ ایوان کی کئی اہم کمیٹیوں کے رکن ہیں۔وہ ایک بار پھر اپنے علاقے کی تعمیر وترقی کے لیے سرگرم عمل ہیں اور کئی بڑے ترقیاتی منصوبوں کے بارے میں تجاویز اہم حکومتی عہدیداروں کو حتمی منظوری کے لیے پیش کر چکے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ جلد ہی ان منصوبوں پر کام کا آغاز ہو جائے گا اور عوام کے کئی دیرینہ مسائل حل ہو جائیں گے۔ان کا کہنا ہے کہ عوام نے ہمیشہ ہم پر اعتماد کا اظہار کیا ہے اور ہم بھی ان کی خدمت کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے۔

حلقہ این اے 67 سرگودھا IV تحصیل سرگودھا اور تحصیل سلانوالی کے مختلف قانون گو حلقوں اور پٹوار سرکل پر مشتمل ہے۔یہاں کل رجسٹرڈ ووٹرز کی تعداد تین لاکھ پانچ ہزار تین سو اناسی ہے جن میں ایک لاکھ چوالیس ہزار ایک سو بارہ خواتین اور ایک لاکھ اکسٹھ ہزار دو سو سڑسٹھ مرد ہیں۔

محمد طاہر شاہ

این اے 86 جھنگ I

پاکستان مسلم لیگ (ق)

رجوعہ سادات خاندان کے جد امجد اوچ شریف کے مشہور بزرگ سید جلال شاہ تھے۔یہ خاندان پورے پنجاب میں بہت محترم مقام رکھتا ہے۔اس خاندان کے ایک بزرگ سید شاہ دولت نے اوچ شریف سے نقل مکانی کر کے رجوعہ (جھنگ) کو اپنا مسکن بنایا۔یہ ایک بہادر اور جری شخصیت تھے جنہوں نے مغلوں اور دیگر مقامی حکمرانوں کے خلاف کئی لڑائیاں لڑیں۔مغل بادشاہ محمد شاہ کے عہد میں اس خاندان کے ایک بزرگ سید جلال شاہ کو رجوعہ کا حکمران بنایا گیا جبکہ سردار فتح دریا کو برطانوی دور میں جاگیر دے کر ذیلدار کا رتبہ اور صوبائی دربار میں تین نشستیں دی گئیں۔محمد طاہر شاہ اسی خاندان میں 23 دسمبر 1951ء کو پیدا ہوئے۔اپنے ابتدائی تعلیمی مدارج ایچی سن کالج سے مکمل کیے اور ایف سی کالج لاہور سے گریجویشن کرنے کے بعد اپنی عوامی زندگی کا آغاز کیا۔

آپ اپنی سیاسی زندگی کی ابتدا میں یونین کونسل اور مرکز کونسل کے چیئرمین منتخب ہوئے اور دو دفعہ ڈسٹرکٹ بورڈ جھنگ کے رکن رہے۔1990ء کے عام انتخابات میں آزاد امیدوار کی حیثیت سے پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔وہ منظور وٹو کی وزارت اعلیٰ کے دور میں صوبائی وزیر خوراک کے منصب پر فائز ہوئے۔1993ء میں مسلم لیگ (ج) کے ٹکٹ پر دوبارہ صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور 1995ء تک وزیر اعلیٰ کے مشیر رہے۔انہیں وزیر کا درجہ دے کر جنگلی حیات کے بارے میں مشیر کا عہدہ تفویض کیا گیا۔حکومت پنجاب کی طرف سے تعلیم کے بارے میں ریسرچ کی غرض سے یورپ جانے والے وفد کے رکن بھی تھے۔2002ء کے عام انتخابات میں مسلم لیگ (ق) کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کی نشست کے لیے حصہ لیا اور بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔

ان کے خاندان نے اپنے علاقے کی تعمیر و ترقی کے لیے بے مثال خدمات انجام دی ہیں۔ مقامی بلدیاتی اداروں کے سربراہ یا رکن کے طور پر اور پھر قومی وصوبائی اسمبلیوں میں جا کر ہمیشہ علاقے کے عوام کے مسائل کو حل کرانے کے لیے انتہائی لگن اور جانفشانی کے ساتھ کام کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے علاقے میں سڑکوں کی حالت کافی بہتر نظر آتی ہے۔

آبپاشی کے نظام کی بہتری، تعلیمی اداروں کے قیام اور بنیادی مراکز صحت کی تعمیر پر بھی خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ وہ ابھی علاقے کے کئی دیگر مسائل حل کرانے کے لیے کوشاں ہیں کیونکہ ان کے وسیع حلقہ نیابت میں ابھی کئی دیہی علاقے بنیادی سہولتوں سے محروم ہیں۔ خصوصاً کھیت سے منڈی تک مزید سڑکوں کی تعمیر، سکولوں، ہسپتالوں اور بجلی و گیس کی فراہمی بہت ضروری ہے۔ وہ علاقے کی صنعتی ترقی چاہتے ہیں تاکہ روزگار کے مواقع پیدا ہوں اور لوگ روزگار کی تلاش میں اپنے گھر بار چھوڑنے پر مجبور نہ ہوں۔ ان کا خیال ہے کہ بیروزگار نوجوان اور ہنر مند افراد کو نہ صرف سرکاری شعبوں میں ملازمتیں دینے کی ضرورت ہے بلکہ انہیں چھوٹے قرضے دے کر روزگار کے وسائل فراہم کئے جا سکتے ہیں۔ آپ کئی مغربی و مشرقی ممالک کی سیاحت کر چکے ہیں۔ گھڑسواری، ہاکی اور فٹ بال ان کے پسندیدہ کھیل ہیں جبکہ انہیں کاریں جمع کرنے کا شوق ہے۔

حلقہ این اے 86 جھنگ ا چنیوٹ میونسپل کمیٹی اور تحصیل چنیوٹ کے کئی قانون گو حلقوں اور چکوک پر مشتمل ہے۔ یہاں کل دو لاکھ باون ہزار تین سو تیرہ رجسٹرڈ ووٹرز ہیں جن میں ایک لاکھ اٹھارہ ہزار پانچ سو چوہتر خواتین اور ایک لاکھ تینتیس ہزار سات سو انتالیس مرد ہیں۔

بیگم رفعت جاوید کاہلوں

این اے 117 نارووال III

پاکستان مسلم لیگ (ق)

رفعت جاوید کاہلوں ہمارے ملک کی ان خوش نصیب خواتین میں سے ایک ہیں جنہوں نے جنرل سیٹ پر 2002ء کے عام انتخابات میں حصہ لیا اور بھاری اکثریت سے کامیاب ہو کر قومی اسمبلی کی رکن منتخب ہوئیں۔ ان کے شوہر کرنل (ر) جاوید صفدر کاہلوں نارووال کے ضلع ناظم ہیں۔ وہ ایم ایل اے بھی منتخب ہوئے تھے اور ذیلدار بھی۔ بیگم رفعت جاوید کاہلوں کے والد بھی آرمی میں کرنل کے عہدے پر فائز رہے اور ان کا تعلق ضلع فیصل آباد سے ہے۔ وہ شادی کے بعد اپنے شوہر کے آبائی علاقے نارووال میں رہائش پذیر ہوئیں۔

آپ 10 اکتوبر 1952ء کو پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیمی مدارج کوئین میری کالج سے مکمل کئے جبکہ پنجاب یونیورسٹی سے اطلاقی نفسیات میں ایم ایس سی کرنے کے بعد بچوں کی نفسیات میں سپیشلائزیشن کی۔ ان کے خاندان نے سیاست کو عوام کی خدمت کا ذریعہ سمجھا اور جب اعلیٰ سطح پر علاقے کی نمائندگی کا مسئلہ درپیش ہوا تو آپ نے بھی اپنے اہل خاندان کے مشورے پر سیاست کے میدان میں اترنے کا فیصلہ کیا۔ اپنے حلقے کے مسائل کا گہری نظر سے جائزہ لیا اور انتخابی مہم ان عوامی مسائل کے حل کی بنیاد پر چلائی جس کے نتیجے میں علاقے کی تمام برادریوں نے اپنے اپنے ووٹ دیئے۔ وہ اس وقت پارلیمانی سیکرٹری برائے انفارمیشن ٹیکنالوجی کے منصب پر فائز ہیں۔ وہ اور ان کے شوہر کرنل (ر) جاوید صفدر کاہلوں ضلع نارووال کے بڑے اور اہم

مسائل کو حل کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ علاقے میں سڑکوں کی تعمیر پر خصوصی توجہ دی ہے۔کئی دوسری اہم سڑکوں کے علاوہ لاہور نارووال نئی سڑک کا بڑا منصوبہ تعمیر کے مراحل میں داخل ہونے والا ہے۔اس طرح ٹیلی کمیونیکشن کے شعبے میں بھی انقلابی منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ان میں نارووال اور شکر گڑھ کے پرانے ٹیلی فون ایکس چینجز کو جدید مشینری سے آراستہ کرنا شامل ہے۔ تعلیمی حوالے سے ضلع حکومت نارووال پبلک سکول اور انفارمیشن ٹیکنالوجی یونیورسٹی جیسے اہم منصوبے پرائیویٹ سیکٹر میں روبہ عمل لا رہی ہے۔یہ یونیورسٹی ایشیا میں اپنی نوعیت کی منفرد اور ماڈرن یونیورسٹی ہوگی۔اس کے لیے ایک سو پچاس ملین روپے کے فنڈز منظور ہو چکے ہیں۔ان منصوبوں کی تکمیل سے یہاں کے تعلیمی شعبہ میں ایک انقلاب آئے گا۔

نارووال ضلعی ہیڈ کوارٹر ہونے کے باوجود سوئی گیس کی بنیادی سہولت سے محروم ہے۔شکر گڑھ جو کہ تحصیل کی سطح کا اہم قصبہ ہے وہاں بھی گیس نہیں۔بیگم رفعت کی کوشش ہے کہ یہاں جلد از جلد اس سہولت کی فراہمی کو یقینی بنائیں۔وہ علاقے کے تعلیمی اداروں کی زبوں حالی سے آگاہ ہیں اور چاہتی ہیں کہ سکولوں اور کالجوں میں عملے کی کمی کا مسئلہ حل کیا جائے۔ خواتین کے مسائل پر بھی گہری تشویش رکھتی ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ لوگوں کا رویہ بدلنے کے لیے ایک تحریک کی ضرورت ہے تاکہ یہاں کی خواتین بھی جدید علوم سیکھ کر اپنے خاندان اور ملک وقوم کی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔وہ نارووال کے سرحدی دیہات کے محنت کش عوام کے مسائل کو بھی اولیت دیتی ہیں جو اسی کلو میٹر لمبی پاک بھارت سرحد پر کشیدگی سے براہ راست متاثر ہوتے ہیں اور انہیں اس کا مناسب معاوضہ بھی نہیں ملتا۔

آپ انٹرنیشنل کمیشن برائے انسانی حقوق کی پارلیمنٹرین کمیٹی کی رکن ہیں اور یہ سمجھتی ہیں کہ عوام کو صحت، تعلیم، کمیونیکشن اور روزگار جیسی بنیادی ضروریات کی عدم فراہمی انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔ان کا کہنا کہ میرے شوہر ضلع ناظم ہونے کی وجہ سے علاقے کے مسائل پر بھرپور توجہ دے رہے ہیں۔اسی طرح میں قانون سازی جیسے اہم کام کی طرف دھیان دے رہی ہوں۔

حلقہ این اے 117 نارووال III

بدوملہی ٹاؤن کمیٹی، نارووال میونسپل کمیٹی، تحصیل نارووال اور تحصیل شکر گڑھ کے کچھ علاقوں پر مشتمل ہے۔یہاں کل دو لاکھ تیس ہزار تین سو چھیاسی رجسٹرڈ ووٹر ہیں جن میں ایک لاکھ سات ہزار چھ سو اکسٹھ خواتین اور ایک لاکھ بائیس ہزار سات سو پچیس مرد ہیں۔

سید نوید قمر

این اے 222 حیدر آباد V

پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمنٹرین

آپ کا خاندان سندھ کی سیاست میں طویل عرصہ سے سرگرم عمل ہے ان کے نانا سید مہران محمد شاہ سندھ اسمبلی کے پہلے اسپیکر تھے۔حیدر آباد (سندھ) کا یہ زراعت پیشہ خاندان پورے سندھ میں عزت و احترام اور عوام کی بے پناہ محبت کی وجہ سے منفرد مقام کا حامل ہے۔سید نوید قمر 22 ستمبر 1955ء کو کراچی میں تولد ہوئے۔معروف تعلیمی اداروں میں اپنے تعلیمی مراحل طے کئے اور کمپیوٹر سافٹ ویئر میں ایم بی اے کی ڈگری حاصل کی۔اپنے اسلاف کے روشن نقوش قدم پر چلتے ہوئے عوام کی فلاح و بہبود اور دکھی انسانیت کو اپنا شعار بنا کر سیاست میں آئے اور کئی برسوں سے عوام کے قلب وذہن پر حکومت کرنے والی جماعت پاکستان پیپلز پارٹی سے وابستگی اختیار کی اور جلد ہی عوام

کے اعتماد و محبت کا اعزاز حاصل کرتے ہوئے 1988 ء کے عام انتخابات میں اپنی پارٹی کے ٹکٹ پر سندھ اسمبلی کی سیٹ پر کامیاب ہوئے۔ انہیں سندھ کابینہ میں وزیر اطلاعات فائز کیا گیا۔ اس دوران صوبائی کابینہ کے انتہائی فعال رکن کی حیثیت سے صوبے کے عوام کی خدمت کی۔ 1990 ء کے عام انتخابات میں قومی اسمبلی کی نشست کے لیے ٹکٹ ملا اور کامیاب ہوئے۔ اب کی بار ان کی پارٹی اپوزیشن میں تھی۔ ایک ماہر پارلیمنٹرین کی حیثیت سے قومی اسمبلی میں اپنی قابلیت کا سکہ منوایا۔ پوری سرگرمی سے ایوان کی کارروائی میں حصہ لیتے تھے اور حکومتی بنچوں کے لئے کافی مشکلات پیدا کرتے تھے۔

دوبارہ 1993 ء میں قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور پیپلز پارٹی کی حکومت نے انہیں نج کاری کمیشن کا چیئرمین بنایا اور بعد میں نج کاری کا وزیر بنا دیا گیا۔ انہوں نے قومی اثاثوں کی نجکاری کے عمل کو شفاف بنایا۔ اس سلسلے میں ان کی کارکردگی کو سراہا گیا اور ان کے بدترین سیاسی مخالف بھی ان کے عمل میں خامیاں تلاش کرنے میں ناکام رہے۔ کچھ عرصہ بعد وفاقی وزیر خزانہ کا قلمدان سونپا گیا۔ 1997ء کے عام انتخابات میں وہ ایک بار پھر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ انہیں قومی اسمبلی کی مجالس قائمہ برائے قانون، انصاف، انسانی حقوق و پارلیمانی امور، قواعد وضوابط کار و استحقاق اور خزانہ و اقتصادی امور کا رکن بنا دیا گیا۔ وہ اقوام متحدہ کی پارلیمانی یونین کے اجلاس میں بھی اپنے ملک کی نمائندگی کا اعزاز حاصل کر چکے ہیں۔

اپنے حلقہ نیابت کے مسائل حل کرانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور کئی بڑے ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل میں اپنا کردار ادا کیا۔ کوٹری بیراج کے علاقے میں سیم وتھور کی لعنت کو ختم کرنے کے لیے ڈرینیج پروگرام پر عمل کرایا۔ جبکہ ٹنڈو آدم کو گیس جیسی بنیادی سہولت فراہم کرائی۔ وہ مسلسل اپنے علاقے کی تعمیر و ترقی کے لیے سرگرم عمل رہے ہیں اور آئندہ بھی ان خطوط پر کام جاری رکھنے کا عزم کئے ہوئے ہیں۔ وہ اپنی پارٹی کے پلیٹ فارم سے جمہوری اداروں اور اقدار کے فروغ کے لیے کام کرتے رہے ہیں اور اس کے لیے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کر چکے ہیں۔ ان کے مضبوط سیاسی کردار کی وجہ سے 2002ء کے عام انتخابات میں عوام نے انہیں ایک بار پھر اعتماد سے نوازا اور وہ پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمنٹرین کے ٹکٹ پر چوتھی مرتبہ قومی اسمبلی کی نشست پر کامیاب ہوئے اور اپنے معمول کے مطابق حزب اختلاف کے ایک متحرک رکن کے طور پر اپنا پارلیمانی فرض نبھا رہے ہیں۔

قومی اسمبلی کا حلقہ این اے 222 حیدر آباد V تعلقہ ٹنڈو محمد خان اور تعلقہ حیدر آباد کی چار ٹاؤن کمیٹیوں پر مشتمل ہے۔ یہاں رجسٹرڈ ووٹرز کی کل تعداد دو لاکھ اکہتر ہزار ایک سو چوالیس ہے۔ ان میں ایک لاکھ پچیس ہزار باسٹھ خواتین اور ایک لاکھ چھیالیس ہزار بیاسی مرد ووٹر ہیں۔

سید خورشید احمد شاہ

این اے حلقہ 198 سکھر ا

پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمنٹرین

سید خورشید احمد شاہ کا تعلق سکھر کے ایک ممتاز سید خاندان سے ہے اس قدیم تاریخی شہر میں 20 اپریل 1952ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے آبائی شہر میں تمام تعلیمی مدارج طے کئے اور ہمیشہ امتیازی نمبر حاصل کر کے کامیابی کی سیڑھیاں چڑھتے گئے۔ ایم اے بی ایڈ اور پھر قانون کی ڈگریاں حاصل کیں۔

ان کے انکل سید مظہر علی شاہ ایم ایس لاء کالج کے بانی پرنسپل تھے۔اس کالج کا سنگ بنیاد ذوالفقار علی بھٹو نے 1959ء میں رکھا تھا۔

ان کی عمر ابھی سولہ سال تھی کہ 1968ء میں ایوب خان کی آمرانہ حکومت کے خلاف تحریک چل پڑی اور وہ اس میں حصہ لینے کی پاداش میں جیل چلے گئے۔ 1970ء میں نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن میں شمولیت اختیار کر لی ۔ 1971ء میں وہ ایم ایس لاء کالج کی طلبہ یونین کے صدر چنے گئے۔1972 ء میں سندھ پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن (سپاف) قائم ہوئی تو وہ اس میں شامل ہو گئے اور انہیں ضلع سکھر کا صدر بنا دیا گیا۔ 1974 ء میں اسلامیہ آرٹس اینڈ کامرس کالج کی طلبہ یونین کا الیکشن لڑا اور صدر منتخب ہوئے۔اس وقت سکھر کے مختلف تعلیمی اداروں میں ان کے حمایت یافتہ پینل کامیاب ہوئے تھے اور ان کا نام کامیابی کی کلید سمجھا جاتا تھا۔ 1976ء میں وہ دوبارہ طلبہ یونین کے صدر چنے گئے۔ 1977ء میں پاکستان پیپلز پارٹی کے ٹکٹ برائے سندھ اسمبلی کے لیے درخواست دی۔ پیپلز پارٹی کے ضلعی صدر بھی بنے۔ 1979ء کے بلدیاتی انتخابات میں صرف ستائیس برس کی عمر میں میونسپل کارپوریشن سکھر کے رکن بنے اور قائد حزب اختلاف کی حیثیت سے کام کیا۔ 1983ء میں جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کے خلاف تحریک بحالی جمہوریت چلی تو اس میں سرگرمی سے حصہ لینے پر ایک بار پھر پابند سلاسل کر دیئے گئے۔ 1987ء میں دوبارہ میونسپل کارپوریشن کے انتخابات میں اپوزیشن لیڈر بن گئے۔

وہ 1988ء کے عام انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر سندھ اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔انہیں صوبائی کابینہ میں شامل کیا گیا۔ان کے پاس اطلاعات، ٹرانسپورٹ، تعلیم، کھیل، خزانہ اور منصوبہ بندی و ترقی کی وزارتیں رہیں۔ 1990ء کے عام انتخابات میں وہ اپنی پارٹی کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کی نشست پر کامیاب ہوئے اور حزب اختلاف کے اہم رکن کے طور پر سرگرمی سے اپنا کردار ادا کیا۔ 1993ء میں وہ دوبارہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور کابینہ میں وفاقی وزیر تعلیم، مذہبی، اقلیتی امور اور زکوٰۃ و عشر کے طور پر شامل کیے گئے۔وہ ایوان میں اپنی پارلیمانی پارٹی کے چیف وہپ بھی تھے۔ 1997ء کے عام انتخابات میں انہیں اپنے حلقے کے عوام نے نمائندگی کے لیے بھاری اکثریت سے قومی اسمبلی میں بھیجا اس دفعہ وہ پیپلز پارٹی کی پارلیمانی پارٹی کے ڈپٹی لیڈر بنائے گئے۔قومی اسمبلی کی فنانس کمیٹی اور مجلس قائمہ برائے زکوٰۃ اور مذہبی و اقلیتی امور کے رکن بھی تھے۔اب اپنی پارٹی کی سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کے رکن بھی ہیں۔ 2002 کے عام انتخابات میں مسلسل چوتھی مرتبہ عوام کا بھرپور اعتماد حاصل کر کے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے ہیں۔اس دفعہ ان کے پاس پیپلز پارٹی پارلیمنٹرین کا ٹکٹ تھا۔

آپ نے سکھر کی تاریخ میں پاکستان بننے کے بعد سب سے زیادہ ترقیاتی کام مکمل کرانے اور عوامی مسائل حل کرنے کا ریکارڈ قائم کیا۔ان کا کہنا ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی کے تین سالہ دور حکومت میں جتنا کام سکھر میں ہوا ہے اس کی مثال پہلے کبھی نہیں ملتی۔مزید بتایا کہ ہماری عوامی حکومت نے سکھر کے ایک سو گاؤں بجلی کی روشنی سے منور کر دیئے اور دو درجن سے زائد قصبات میں سوئی گیس کی سہولت پہنچائی گئی۔اس طرح چار بلین روپے کی لاگت سے اسپورٹس کمپلیکس اور اعلیٰ معیار کے جنرل بس اسٹینڈ کی تعمیر کا آغاز بھی کیا گیا۔

حلقہ این اے 198 سکھر I روہڑی میونسپل کمیٹی اور سکھر تعلقہ پر مشتمل ہے۔ اس میں کل رجسٹرڈ ووٹرز کی تعداد دو لاکھ بیالیس ہزار تراسی ہے جن میں ایک لاکھ پندرہ ہزار انتالیس خواتین اور ایک لاکھ ستائیس ہزار چوالیس مرد ہیں۔

راجہ نادر پرویز خان

این اے 85 فیصل آباد XI

پاکستان مسلم لیگ (ن)

راجہ نادر پرویز خان 1942ء میں پیدا ہوئے۔ تعلق فیصل آباد کے ایک ممتاز و معزز خاندان سے ہے۔ انہوں نے گریجویشن کرنے کے بعد پاک فوج میں شمولیت اختیار کر لی۔ 1965ء اور 1971ء کی پاک بھارت جنگ میں بہادری، ایثار اور جذبے کی درخشندہ روایات قائم کیں۔ پاک فوج میں لازوال خدمات کے اعتراف میں دو دفعہ ستارہ جرات کے اعزاز سے نوازا گیا۔ میجر کے عہدے پر پہنچ کر فوج سے سبکدوش ہونے والے اس جری شخص کو آج بھی ''ہیرو آف رن کچھ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انہوں نے 1965ء کی جنگ میں رن کچھ کے محاذ پر دشمن کو زبردست جانی و مالی نقصان پہنچایا اور اس کی یلغار کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن گئے تھے۔ 1968ء سے 1971ء تک پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول میں انسٹرکٹر کے طور پر خدمات انجام دیں۔

راجہ نادر پرویز خان نے اپنا سیاسی تعلق ائر مارشل (ر) محمد اصغر خان کی پارٹی تحریک استقلال سے قائم کیا اور 1978ء میں پارٹی کی سنٹرل ورکنگ کمیٹی کے رکن رہے۔ 1985ء کے غیر جماعتی انتخابات میں حصہ لیا اور قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے جس کے بعد وہ مکمل طور پر سیاست میں اتر آئے۔ وہ اس وقت کے وزیر اعظم محمد خان جونیجو مرحوم کے معتمد ترین ساتھیوں میں شامل سمجھے جاتے تھے۔ 1990ء کے عام انتخابات میں وہ ایک بار پھر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور وفاقی کابینہ میں پانی و بجلی کے وزیر مملکت کے عہدے پر فائز کیئے گئے۔ وہ 1993ء میں تیسری مرتبہ قومی اسمبلی کے رکن بنے۔

1997ء کے عام انتخابات میں پاکستان مسلم لیگ (ن) کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کی نشست پر کامیاب ہوئے اور انہیں پانی و بجلی کی وزارت کا قلمدان سونپا گیا۔ اس ذمہ داری کو چیلنج سمجھ کر قبول کیا اور واپڈا کو کرپشن سے پاک کرنے کے لیے زبردست انقلابی اقدامات کیئے۔ اگست 1998ء میں جب وفاقی کابینہ میں رد و بدل ہوا تو انہیں وزیر مواصلات کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ وہ قومی اسمبلی کی مجالس قائمہ برائے ریلوے اور مواصلات کے رکن بھی رہے۔ وہ ہمہ وقت فعال رہنے والے سپاہی کی طرح کام کرنے کے عادی ہیں۔ وزیر پانی و بجلی کی حیثیت سے واپڈا کی کالی بھیڑوں اور ان کے تعاون سے بجلی کے بڑے بڑے بل ہضم کرنے والے نادہندگان کے خلاف سخت کارروائی کی اور انہیں بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ جس کو عوامی اور حکومتی سطح پر سراہا گیا۔ اپنے دور وزارت میں مواصلات کے شعبے کی ترقی کے لیے بھی انتھک جدوجہد کی اور اس کی کارکردگی کو مزید بہتر بنانے کی کوشش کی۔

انہوں نے اپنے انتخابی حلقے کی تعمیر و ترقی میں ذاتی طور پر دلچسپی لی اور کافی ترقیاتی منصوبے اپنی نگرانی میں پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ اپنے آبائی علاقے نادر والی میں اپنی رہائش گاہ کے لیے مختص ہونے والی اراضی کو اپنے والد کے نام پر قائم ہونے والے منصوبے ''نادر میڈیکل کمپلیکس'' کے لیے وقف کر دیا اور کہا کہ یہ عظیم فلاحی منصوبہ

عوام کو علاج معالجے کی سہولتیں فراہم کرے گا اور میری بخشش کا سبب بنے گا۔ 1999ء میں مسلم لیگ کی حکومت ختم ہونے کے بعد انہوں نے پاکستان مسلم لیگ (ن) سے اپنا سیاسی ناتا برقرار رکھا اور 2002ء کے عام انتخابات میں وہ اپنی پارٹی کے ٹکٹ پر ایک بار پھر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے۔

حلقہ این اے 85 فیصل آباد XI میونسپل کارپوریشن کی حدود میں شامل ہے اس حلقہ میں رجسٹرڈ ووٹرز کی تعداد دو لاکھ اٹھاسی ہزار چھ سو چودہ ہے۔ان میں ایک لاکھ پینتیس ہزار سات خواتین اور ایک لاکھ ترپن ہزار چھ سو سات مرد ووٹر ہیں۔

محمد پرویز ملک

این اے 120 لاہور III

پاکستان مسلم لیگ (ن)

محمد پرویز ملک 18 نومبر 1947ء کو تولد ہوئے۔تعلق لاہور کے ایک انتہائی معزز اور پڑھے لکھے خاندان سے ہے جس کے افراد زندگی کے مختلف شعبوں میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ان کے والد جسٹس ملک محمد اکرم عدلیہ کے ایک مایہ ناز جج تھے۔ان کے بھائی جسٹس (ر) ملک محمد قیوم نے بھی عدالت عالیہ لاہور کے جج کی حیثیت سے خدمات انجام دیں اور اس وقت قانون کے شعبے میں منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔ایک اور بھائی ڈاکٹر جاوید اکرم ملک ممتاز معالج ہیں اور کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور جیسے ادارے میں پروفیسر ہیں۔محمد پرویز ملک نے یونیورسٹی آف آسٹن (برطانیہ) سے بی ایس سی (آنرز) کی ڈگری لی اور عملی زندگی میں آ گئے۔اس وقت وہ کئی اہم صنعتی اداروں کو چلا رہے ہیں۔

وہ اکرم انڈسٹریز لمیٹڈ کے چیف ایگزیکٹو ہیں جو کہ انتہائی جدید قسم کا ٹیکسٹائل اسپننگ یونٹ ہے۔راوی گلاس لمیٹڈ کے ڈائریکٹر ہیں یہ شیشے کی ایک جدید صنعت ہے۔وہ اکرم ایگریکلچرل فارم کے مینجنگ پارٹنر ہیں۔یہ جانوروں کی افزائش نسل کا فارم ہے جسے 1982 میں ضلع شیخوپورہ میں سب سے بہتر پیداوار دینے والا فارم قرار دیا گیا تھا۔وہ لاہور کے چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کی ایگزیکٹو کمیٹی کے 1987ء سے 1990ء اور 1992ء سے 1995ء تک ممبر رہے اور اس وقت بھی چیمبر کے سرگرم اراکین میں شمار ہوتے ہیں۔ 1995ء سے ایمپلائر فیڈریشن آف پاکستان کی مینجنگ کمیٹی کے رکن بھی ہیں وہ ایگزیکٹو کمیٹی برائے پاکستان ایمپلائر فیڈریشن لاہور،صوبائی کونسل برائے بحالی معذوراں حکومت پنجاب،بورڈ برائے نگہبانی دارالاطفال کے رکن ہیں۔وہ مشاورتی کمیٹی برائے فنی تربیت مغل پورہ لاہور،علاقائی مشاورتی کونسل برائے سوشل سکیورٹی انسٹی ٹیوٹ میں صوبائی ورکنگ گروپ برائے تربیت افرادی قوت،حکومت پنجاب ،ورکنگ گروپ وزارت صنعت حکومت پنجاب،پیداوار میں اضافے کی ٹاسک فورس برائے طویل المیعاد تجارتی پالیسی،وزارت تجارت حکومت پاکستان اور کئی دیگر اہم سرکاری وغیر سرکاری نیم سرکاری کمیٹیوں کے رکن اور چیئر مین رہے ہیں۔لاہور چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کی مجالس قائمہ کے کنوینز بھی ہیں۔ کئی اہم بین الاقوامی کانفرنسوں اور سیمینارز میں اپنے ملک کی نمائندگی کر چکے ہیں۔

ان کا سیاسی تعلق پاکستان مسلم لیگ سے رہا ہے 1989ء سے لے کر تا حال اپنی پارٹی کو کاروباری حلقوں میں فروغ دے رہے ہیں۔پارٹی کے لیے ان کی بے مثال خدمات کے پیش نظر 1997ء کے عام انتخابات کے بعد اس وقت کے وزیر اعظم

میاں نواز شریف نے اپنے آبائی حلقہ کی قومی اسمبلی کی نشست خالی کی تو پارٹی ٹکٹ انہیں دیا گیا۔ضمنی انتخابات میں بھاری اکثریت سے یہ نشست جیتی۔قومی اسمبلی کی مجلس قائمہ برائے محنت، افرادی قوت اور سمندر پار پاکستانیوں کے رکن چنے گئے۔اپنے حلقے کے بنیادی مسائل حل کرانے کی طرف بھرپور توجہ دی اور بیروزگاروں کو روزگار فراہم کرانے کے لیے اہم کردار ادا کیا۔لاہور جیسے گنجان آباد شہر کے کم آمدنی والے افراد کے لیے ہاؤسنگ سکیم بنوانے کے لیے بھی کوشاں رہے۔اپنی پارٹی کی حکومت کے خاتمے کے بعد بھی پارٹی سے ناتا نہیں توڑا اور نامساعد حالات میں جمہوری اقدار کی پاسبانی کی۔2002ء کے انتخابات میں دوبارہ پاکستان مسلم لیگ (ن) نے اپنے ٹکٹ سے نوازا اور عوام نے ایک بار پھر ان پر زبردست اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے قومی اسمبلی میں اپنے حلقے کی نمائندگی کے لیے چنا۔

حلقہ این اے 120 لاہور III کارپوریشن کے شہری علاقوں پر مشتمل ہے۔اس حلقہ میں کل دو لاکھ بتیس ہزار آٹھ سو رجسٹرڈ ووٹر ہیں جن میں ایک لاکھ پچیس ہزار آٹھ سو ستر مرد اور ایک لاکھ چھ ہزار نو سو تیئیس خواتین ووٹر ہیں۔

محمد اعجاز الحق

این اے 191 بہاولنگر IV

پاکستان مسلم لیگ (ق)

محمد اعجاز الحق 20 مئی 1952ء کو پیدا ہوئے۔ملتان کے لاسال ہائی سکول سے میٹرک اور لاہور کے معروف تعلیمی ادارے ایف سی کالج سے ایف ایس سی کے امتحانات پاس کیے۔اس دوران ہاسٹل کے صدر بھی رہے بعد میں اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکا چلے گئے۔جہاں سے بی ایس سی اور ایم بی اے کی ڈگریاں حاصل کیں۔1977 میں بینک آف امریکہ میں ملازمت کر لی۔انہوں نے اس مشہور مالیاتی ادارے کے لیے خلیجی ممالک اور لندن میں خدمات انجام دیں۔جب بینک کی ملازمت چھوڑنے کا فیصلہ کیا تو وہ بینک کے ریجنل منیجر اور وائس پریذیڈنٹ تھے۔

ان کے والد جنرل محمد ضیاء الحق نے 5 جولائی 1977ء کو ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹ کر چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا عہد سنبھالا تھا۔وہ گیارہ سال تک پاکستان کے صدر، چیف آف آرمی سٹاف اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر رہے۔ضیاء الحق نے پاکستان کی سیاست پر گہرے اثرات چھوڑے اور 1988ء میں ایک فضائی حادثے میں جان بحق ہو گئے جس کے کچھ عرصہ بعد محمد اعجاز الحق سیاست میں آ گئے اور تھوڑے دنوں میں قومی سیاست کے اہم رہنماؤں میں شمار ہو گئے۔پاکستان مسلم لیگ کے سینئر نائب صدر رہے اور بے نظیر بھٹو کی حکومت کے خلاف تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔انہیں اس دور میں کلاشنکوف لہرانے کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔اس جدوجہد کے دوران آنسو گیس اور لاٹھی چارج کا شکار بھی ہوئے اور ان پر کئی مقدمات سیاسی بنیادوں پر قائم کئے گئے۔ان کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر انوار الحق پنجاب کے صوبائی وزیر اور صوبائی اسمبلی کے رکن رہ چکے ہیں۔

آپ 1990ء میں قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔1993ء میں دوبارہ قومی اسمبلی کی نشست پر سب سے زیادہ اکثریت سے جیتنے کا اعزاز حاصل کر چکے ہیں۔مسلم لیگ کے پہلے دور حکومت میں وفاقی وزیر برائے محنت و افرادی قوت و سمندر پار پاکستانی رہے اور اپنی وزارت کے تحت چلنے والے اداروں کی کارکردگی بہتر بنانے

کے لیے انتھک محنت کی۔ 1997ء کے الیکشن کے بعد قومی اسمبلی کی مجالس قائمہ برائے دفاع اور محنت و افرادی قوت و سمندر پار پاکستانی کے رکن بنے۔ اپنے والد کی یاد میں قائم ہونے والی تنظیم ضیاء الحق فاؤنڈیشن کے سربراہ ہیں۔ برسر اقتدار پارٹی کے رکن ہونے کے باوجود حکومتی عہدیداروں کی غلط پالیسیوں کے زبردست ناقد رہے اور اس حوالے سے ان کی شہرت میں اضافہ ہوا۔

1999ء میں مسلم لیگی حکومت کے خاتمے کے بعد پارٹی کی تنظیم سازی میں سرگرم رہے جب مسلم لیگ میں دھڑے بندی ہونے لگی تو سخت احتجاج کیا اور اگست 2002ء میں پاکستان مسلم لیگ (ضیاء الحق) کے نام سے اپنی پارٹی بنانے کا اعلان کر دیا۔ اپنی پارٹی کے پلیٹ فارم سے اکتوبر 2002ء کے انتخابات میں حصہ لیا اور بہاولنگر سے قومی اسمبلی کی نشست پر کامیاب ہوئے۔ گذشتہ دنوں جب پانچ مسلم لیگوں کا اتحاد ہوا تو اس کی تشکیل میں بھرپور حصہ لیا اور اپنی مسلم لیگ سمیت متحدہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔

حلقہ این اے 191 بہاولنگر IV میں رجسٹرڈ ووٹرز کی تعداد تین لاکھ تین ہزار چار سو اکیس ہے جن میں ایک لاکھ بیالیس ہزار چھ سو ستتر خواتین اور ایک لاکھ ساٹھ ہزار سات سو چوالیس مرد ہیں۔ یہ حلقہ تحصیل فورٹ عباس، ہارون آباد میونسپل کمیٹی، فقیر والی میونسپل کمیٹی اور کچھ قانون گو حلقوں پر مشتمل ہے۔

سردار محمد یعقوب خان ناصر

این اے 263 لورالائی

پاکستان مسلم لیگ (ن)

بلوچستان کا ناصر قبیلہ انتہائی محترم مقام کا حامل ہے۔ یہ قبیلہ اپنی روائتی مہمان نوازی، شجاعت اور ملنساری کے حوالے سے خاصا مشہور رہا ہے۔ اس قبیلے کے موجودہ سربراہ محمد یعقوب خان ناصر 10 جنوری 1947ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیمی مدارج طے کرنے کے بعد لاہور کی معروف دانش گاہ پنجاب یونیورسٹی سے سیاسیات میں ماسٹرز کیا۔ عوام کی خدمت اور فلاح و بہبود کا جذبہ لے کر میدان سیاست میں اترے۔ اپنی سیاسی زندگی کی ابتدا یونین کونسل کے انتخابات سے کی۔ 1985ء کے انتخابات میں بلوچستان اسمبلی کی نشست پر کامیابی حاصل کی اور صوبائی کابینہ میں آبپاشی و برقیات کے وزیر کا منصب سنبھالا اور 1988ء تک اس عہدے پر کام کرتے رہے۔

1990ء کے عام انتخابات میں پاکستان مسلم لیگ کے ٹکٹ پر پہلی مرتبہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1991ء میں وفاقی وزیر برائے ریاستی و سرحدی امور اور ماحولیات کے عہدے پر فائز رہے اور 1993ء تک وفاقی کابینہ کے رکن رہے۔ مارچ 1994ء میں چھ سال کے لیے سینٹ کے رکن منتخب ہوئے۔ سینٹ کی فنکشنگ کمیٹی برائے کم ترقی یافتہ علاقہ جات کے رکن رہے۔ سینٹ کی مجالس قائمہ برائے ثقافت و کھیل اور سیاحت اور محنت و افرادی قوت و سمندر پار پاکستانی کے رکن بھی رہے۔ 1997ء کے عام انتخابات میں دوبارہ پاکستان مسلم لیگ کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے رکن چنے گئے اور سینٹ کی نشست چھوڑ دی۔ انہیں وفاقی کابینہ میں ریلوے کی وزارت کا قلمدان سونپا گیا۔ ریلوے کے وزیر کی حیثیت سے عوامی اہمیت کے اس بڑے ادارے کو خسارے سے نکالنے اور اس کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لیے مسلسل کوشش کی کیونکہ ان کے خیال میں ملک کے عوام کے لیے ریلوے کا سفر سستا اور محفوظ

ترین ذریعہ ہے لیکن بد قسمتی سے یہ ماضی کی پالیسیوں کی وجہ سے تباہی کے دہانے پر پہنچ چکا تھا۔ وہ ایوان کی مجلس قائمہ برائے ہاؤس ولائبریری کے رکن رہے۔

12 اکتوبر 1999ء کے بعد مشکل ترین حالات میں بھی اپنی جماعت پاکستان مسلم لیگ (ن) کا ثابت قدمی سے ساتھ دیا اور تمام مصائب کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ ملک میں دوبارہ جمہوری اداروں کے قیام اور بحالی کے لیے قابل قدر خدمات انجام دیں اور اپنے اصولی موقف پر کاربند رہے۔ اس دوران اپنے حلقے کے عوام سے بھی روابط قائم رکھے اور اپنے معمول کے مطابق ان کے دکھ درد اور مسائل میں شریک رہے۔ 2002ء کے عام انتخابات میں وہ تیسری مرتبہ اپنی پارٹی کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ ان کا حلقہ نیابت بہت وسیع ہے جو کہ فورٹ منرو سے زیارت تک پھیلا ہوا ہے۔ اس وسیع و عریض حلقے کے عوام کو بے شمار مسائل کا سامنا ہے۔ ان کے حل کے لیے ہمہ تن و ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔ ماضی میں اپنے حلقے کے لیے پینے کے صاف پانی کی فراہمی، سوئی گیس، بجلی اور ٹیلی فون جیسی بنیادی سہولتوں کے لیے کوشش کی اور کافی حد تک کامیاب ہوئے۔ تعلیمی اداروں کے قیام، سڑکوں کی تعمیر اور صحت کی سہولتوں کی فراہمی کو بھی اپنی ترجیحات کا حصہ بنایا۔ وہ چاہتے ہیں کہ زراعت کی ترقی کے لیے ان کے علاقے میں چھوٹے ڈیموں کی ضرورت پوری ہوتا کہ پانی کے ضیاع کو روک کر غیر آباد زمینوں کو آباد کیا جائے اور ملک کی خوشحالی کو یقینی بنایا جا سکے۔ ان کا خیال ہے کہ ہمارے ملک کو قدرت نے اپنی فیاضیوں سے نوازا ہے، یہاں کسی چیز کی کمی نہیں اگر سچی لگن اور اخلاص کے ساتھ محنت کرنے کے لیے اہل وطن تیار ہو جائیں تو ہمارا وطن عظیم سے عظیم تر بن جائے گا۔

حلقہ این اے 263 لورالائی کے ضلع پر مشتمل ہے۔ یہاں کل دو لاکھ بہتر ہزار پانچ سو نو رجسٹرڈ ووٹرز ہیں۔ ان میں ایک لاکھ بیس ہزار ایک سو اٹھہتر خواتین اور ایک لاکھ باون ہزار تین سو اکتیس مرد ہیں۔

مخدوم شاہ محمود قریشی

این اے 148 ملتان I

پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمنٹرین

مخدوم شاہ محمود قریشی کا تعلق ملتان کے قدیم روحانی و سیاسی خانوادہ سے ہے۔ وہ اپنے جد امجد حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ اور شاہ رکن عالمؒ کے سجادہ نشین ہیں۔ ان کے والد مخدوم سجاد حسین قریشی ایک نامور روحانی پیشوا، معروف سیاسی و سماجی شخصیت تھے۔ مرحوم مخدوم صاحب تحریک پاکستان میں شامل رہے اور قائداعظمؒ کی ہدایت پر سندھ مسلم لیگ کی حمایت میں عوام کو متحرک کرنے کے لیے سندھ کا دورہ بھی کیا تھا کیونکہ یہاں ان کے ہزاروں ارادت مند رہتے ہیں۔ کئی عوامی و سیاسی عہدوں پر فائز رہے۔ 1985ء سے 1988ء تک پنجاب کے گورنر کے عہدے پر کام کرتے رہے۔ اس کے علاوہ کئی دینی، ادبی اور ثقافتی تنظیموں کے سرپرست اور معاون رہے۔ خاندان کے دوسرے افراد بھی عوامی و سیاسی عہدوں کے لیے منتخب ہوتے رہے ہیں۔

آپ 22 جون 1956ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیمی مدارج طے کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرون ملک جانے کا فیصلہ کیا اور کیمبرج یونیورسٹی سے قانون اور تاریخ میں ماسٹرز کی ڈگریاں حاصل کیں۔ 1985ء میں پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1988ء میں دوبارہ اس نشست پر کامیابی حاصل کی اور پنجاب کی کابینہ میں

منصوبہ بندی و ترقی کے وزیر مقرر ہوئے۔ 1990ء میں تیسری دفعہ صوبائی اسمبلی کا رکن بننے کے بعد صوبائی کابینہ میں وزیر خزانہ کے عہدے پر فائز کیے گئے۔ 1993ء میں وہ پاکستان پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تو انہیں وزیراعظم کی ٹاسک فورس برائے زراعت کا چیئرمین بنایا گیا۔ اس حیثیت میں زراعت جیسے اہم شعبے کی ترقی کے لیے کئی قابل عمل اور شاندار تجاویز پیش کیں جن کی روشنی میں اس وقت کی حکومت نے کئی اہم اقدامات کئے جس کے ملک کی زرعی پیداوار پر مثبت اثرات مرتب ہوئے جبکہ اس بنیادی شعبہ سے متعلق کسانوں اور زمینداروں کو کئی سہولتیں میسر آئیں۔

آپ پچھلے بلدیاتی انتخابات میں حکومت مخالف پارٹی کا رکن ہونے کے باوجود ملتان کے ضلع ناظم منتخب ہونے میں کامیاب ہوئے اور اپنے ضلع کی تعمیر و ترقی کے کاموں کو آگے بڑھایا۔ اکتوبر 2002ء کے عام انتخابات میں ضلع ناظم کا عہدہ چھوڑ کر پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمنٹرین کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے ہیں۔ ترغیب و تحریص اور دباؤ کے باوجود اپنی پارٹی کے ساتھ وفاداری کا عہد نبھایا۔ وہ حزب اختلاف کی سب سے بڑی پارٹی کا رکن ہونے کے ناتے اہم قومی و بین الاقوامی امور پر پوری تیاری کے ساتھ ایوان میں آتے ہیں اور نہایت پر اثر اور مدلل انداز میں بحث میں شریک ہوتے ہیں۔ ایک منجھے ہوئے پارلیمنٹرین اور زبردست مقرر ہیں۔ اپنی خاندانی روایات پر عمل پیرا ہیں اور صرف اپنے علاقے کی نہیں بلکہ پورے ملک کے عوام کی فلاح و بہبود کے بارے میں سوچتے ہیں۔ فارمرز ایسوسی ایشن آف پاکستان، این اے سی سی اور زکریا اکیڈیمی آف پاکستان کے چیئرمین ہیں۔ اول الذکر تنظیم چھوٹے زمینداروں اور کسانوں کے مسائل کو اجاگر کرنے اور ان کے حل کے لیے کوشاں ہے۔ اس سلسلہ میں ہر سال کئی اہم سیمینارز اور کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں اور باہمی صلاح مشورے سے ایسی تجاویز اور اقدامات کی سفارشات تیار کی جاتی ہیں جو زراعت و باغبانی کی ترقی میں معاون ثابت ہو سکیں۔ زکریا اکیڈیمی ایک ادبی و ثقافتی تنظیم ہے جو بزرگان دین کے عظیم کارناموں اور تعلیمات کے فروغ کے سلسلے میں سرگرم عمل ہے۔

حلقہ این اے 148 ملتان I قادر پور راں ٹاؤن کمیٹی، مخدوم رشید ٹاؤن کمیٹی، ملتان شہر، ملتان صدر اور ملتان تحصیل کے کئی قانون گو حلقوں پر مشتمل ہے۔ یہاں کل دو لاکھ چوراسی ہزار چھبیس رجسٹرڈ ووٹرز ہیں جن میں ایک لاکھ تینتیس ہزار آٹھ سو پچاس خواتین اور ایک لاکھ پچاس ہزار ایک سو چھہتر مرد ہیں۔

سردار فاروق احمد خان لغاری

این اے 172 ڈیرہ غازی خان II

مسلم لیگ (ق)

سردار فاروق احمد خان لغاری کا نام تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ مشہور لغاری قبیلے کے سربراہ ہیں، صدر مملکت رہ چکے ہیں۔ ان کے دادا نواب سر جمال خان لغاری نے اپنے بلوچ قبیلے میں فرسودہ روایات کی بجائے شرعی قوانین کو رواج دیا اور قبیلے کے سردار کو دیئے جانے والے بعض نارواٹیکس ختم کیے۔ ان کے والد نواب محمد خان لغاری نے تحریک پاکستان میں حصہ لیا اور 1946ء میں قید و بند کی مشکلات سے بھی گزرے۔ آزادی کے بعد وہ کئی سال تک پنجاب کابینہ میں وزیر کی حیثیت سے شامل رہے۔

سردار فاروق احمد خان لغاری 2 مئی 1940ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیمی

مراحل ایچی سن کالج لاہور سے 1958ء میں مکمل کئے جبکہ پنجاب یونیورسٹی سے 1960ء میں بی اے آنرز کرنے کے بعد ایم اے فلاسفی، سیاسیات اور اقتصادیات کی ڈگریاں آکسفورڈ یونیورسٹی سے حاصل کیں۔ پاکستان واپس آنے کے بعد مقابلے کا امتحان سی ایس ایس دیا اور کامیابی کے بعد 1964ء سے 1973ء تک اعلیٰ سرکاری عہدوں پر کام کیا۔ سیاست میں حصہ لینے کے لئے 1973ء میں سرکاری ملازمت سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کیا اور پاکستان پیپلز پارٹی میں شامل ہو کر پارٹی کے لیے متعدد تنظیمی عہدوں پر کام کیا۔ صدر مملکت منتخب ہونے تک پارٹی میں رہے۔ اس دوران جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء دور میں کافی انتقامی کاروائیوں اور قید و بند کی صعوبتوں کا بھی مقابلہ کیا۔ 1975ء میں سینٹ کے رکن منتخب ہوئے۔ 1977ء میں وہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور ذوالفقار علی بھٹو کی کابینہ میں وفاقی وزیر صنعت کے طور پر شامل کئے گئے۔ 1978ء سے 1983ء تک پاکستان پیپلز پارٹی کے جنرل سیکرٹری اور سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کے رکن رہے۔ 1988ء کے عام انتخابات میں قومی اور صوبائی اسمبلی کی نشستوں پر کامیابی حاصل کی۔ کچھ عرصہ پنجاب اسمبلی میں قائد حزب اختلاف کے طور پر کام کیا اور 1989ء کے اوائل میں دوبارہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوگئے۔ وہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی وفاقی کابینہ میں پانی و بجلی کے وزیر بنا دیئے گئے۔ 1990ء کے عام انتخابات میں ایک بار پھر قومی اسمبلی کے رکن اور اپوزیشن لیڈر منتخب ہوئے۔ 1993ء میں میر بلخ شیر مزاری کی نگران کابینہ میں وفاقی وزیر خزانہ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ 1993ء کے عام انتخابات میں بھاری اکثریت سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ مختصر مدت کے لیے وزیر خارجہ کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔ جس کے بعد کئی سیاسی پارٹیوں نے انہیں صدر مملکت کے عہدے کے لیے اپنا متفقہ امیدوار نامزد کیا اور وہ کافی اکثریت سے اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔

نواز شریف حکومت سے کئی معاملات پر اصولی اختلاف کی وجہ سے عہدہ صدارت سے استعفیٰ دے دیا اور کچھ عرصہ بعد ملت پارٹی کے نام سے اپنی سیاسی جماعت کے قیام کا اعلان کر دیا۔ اپنی پارٹی کے صدر منتخب ہوئے۔ 2002ء کے انتخابات میں حصہ لینے کے لیے دیگر اہم سیاسی جماعتوں کے ساتھ "نیشنل الائنس" کے نام سے ایک اتحاد قائم کیا۔ ان کے اس سیاسی اتحاد نے قومی و صوبائی اسمبلیوں اور سینٹ کی کئی نشستوں پر کامیابی حاصل کی۔ نیشنل الائنس نے ملک میں سیاسی استحکام اور پائیدار جمہوریت کے لیے حکومتی اتحاد میں شمولیت اختیار کی۔ اور اب ان کا اتحاد مسلم لیگ قائد اعظم کا حصہ بن چکا ہے۔ ان کے صاحبزادے سردار جمال لغاری ڈیرہ غازی خان کی ضلعی حکومت کے سربراہ ہیں جبکہ ان کے دوسرے صاحبزادے اویس احمد خان لغاری وفاقی کابینہ میں وزیر ہیں۔ ان کے کزن سردار جعفر خان لغاری بھی قومی اسمبلی کے رکن ہیں۔ اس خاندان کی کئی خواتین بھی قومی و صوبائی اسمبلیوں کی رکن منتخب ہوئی ہیں۔

قومی اسمبلی کا حلقہ این اے 172

ڈی جی خان II ڈیرہ غازی خان میونسپل کمیٹی، تحصیل ڈیرہ غازی خان کے قانون گو اور پٹوار حلقوں اور کچھ قبائلی علاقوں پر مشتمل ہے۔ یہاں کل دو لاکھ انسٹھ ہزار سات سو چھیاسٹھ ووٹر رجسٹرڈ ہیں۔ جن میں ایک لاکھ چالیس ہزار نو سو بانوے خواتین اور ایک لاکھ چونسٹھ ہزار چوہتر مرد ہیں۔

شالامار باغ کے انجینئر...... نواب علی مردان خان کا مقبرہ

محمد نعیم مرتضیٰ

لاہور ریلوے اسٹیشن سے شالامار باغ کو جائیں تو جی ٹی روڈ پر گلابی باغ سے تھوڑا آگے سنگھ پورہ سبزی منڈی کے بالمقابل ایک بلند و بالا اور پُرشکوہ گنبد لوگوں کی توجہ اپنی جانب کھینچ لیتا ہے۔ زمانے کی گردشوں اور حالات کے ہاتھوں خستگی کا شکار یہ گنبد دراصل نواب مردان علی خان کے مقبرے کا حصہ ہے جو اپنے اوصاف کی بدولت لاہور کی تاریخی عمارات میں اہم مقام رکھتا ہے۔

نواب علی مردان' شاہجہانی دور کا ماہر انجینئر' بلند پایہ سپہ سالار اور مغل حکمران شاہ جہاں کا معتمد خاص تھا۔ اس نے شالامار باغ لاہور کی تعمیر کے علاوہ اپنا ایک ذاتی باغ بھی بنوایا تھا جس کا نام ''نولکھا باغ'' رکھا تھا۔ اس باغ کی خوبصورتی و رعنائی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی تعمیر پر نولاکھ روپے صرف ہوئے جبکہ شالامار باغ کی تیاری چھ لاکھ روپے سے عمل میں آئی تھی۔ اس وقت اس باغ پر لاہور کا لنڈا بازار قائم ہے اور اس کا ایک حصہ نولکھا بازار کہلاتا ہے۔

نواب علی مردان خان کشمیر کا گورنر بھی رہا۔ اسے شاندار عمارات تعمیر کرانے کے علاوہ رفاہ عامہ کے کاموں سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ علی مردان کے آباء واجداد ''کرد'' تھے۔ ان کے والد گنج علی خان کو ازبکوں کے خلاف فتح یاب ہونے پر شاہِ ایران نے ''ارجمند بابا'' کا خطاب دیا تھا۔ ارجمند بابا کی وفات کے بعد علی مردان خان کو قندھار کی حکمرانی کے علاوہ ''بابائے ثانی'' کا شاہی خطاب بھی ملا۔ بعد ازاں محلاتی سازشوں کی بناء پر علی مردان خان کو ایران سے ہجرت کرکے ہندوستان کا رخ کرنا پڑا۔ ہندوستان میں ان کی آمد اور دربار شاہی میں حاضری کی مکمل رُوداد شاہ جہانی مورخ و وزیر محمد صالح کمبوہ نے اپنی تصنیف ''عمل صالح'' میں تفصیلاً رقم کی ہے۔

شاہ جہاں چونکہ خود بھی عمارات کی تعمیر کا شوقین اور قدردان تھا۔ لہٰذا اس نے علی مردان خان کی خوب آؤ بھگت کی۔ انہیں دیگر اعزازات و انعامات کے ساتھ ساتھ قندھار کا گورنر مقرر کر دیا۔ علی مردان خان نے اپنی قابلیت' شجاعت اور بے پناہ ذہانت سے خود کو ان نوازشات کا اہل ثابت کیا اور جلد ہی انہیں کابل کا ناظم بھی بنا دیا گیا۔ بعد ازاں علی مردان نے بلخ اور بدخشاں کی مہمات میں بھی حصہ لیا اور دادِ شجاعت دی۔ انہوں نے شالامار باغ کی تعمیر کے علاوہ اسے سیراب کرنے کے لئے ایک نہر بھی بنوائی جو کسی کارنامے سے کم نہیں۔ اس دوران نواب علی مردان جہاں بھی گئے اپنے ذوق کی تسکین کے لیے نہریں' باغات اور دیگر عمارات بنواتے رہے۔ ان کی یادگاریں آج بھی کشمیر' کابل' پشاور اور ہندوستان کے کئی علاقوں میں موجود ہیں جو انجینئرنگ کا شاہکار سمجھی جاتی ہیں۔

نواب علی مردان خان نے شالامار

باغ کے قریب اپنی والدہ کا ایک نہایت عالیشان مقبرہ تعمیر کروایا۔شالا مار باغ کی طرح اس مقبرے کا نقشہ بھی علی مردان نے خود بنایا تھا جسے دیکھنے والے اس کی تعریف کیے بنا نہیں رہ سکتے۔

۱۶۵۷ء میں نواب علی مردان کو اسہال کا مرض لاحق ہوگیا۔ چنانچہ آرام کی غرض سے انہوں نے شاہجہاں سے اجازت لے کر کشمیر کا سفر اختیار کیا۔مگر وہ راستے میں ہی ۲۶ اپریل ۱۶۵۷ء کو انتقال کر گئے۔اس وقت ان کے ہمراہ ان کا بیٹا ابراہیم خان بھی شریکِ سفر تھا۔لہٰذا نعش کو کشتی کے ذریعے لاہور لایا گیا اور مرحوم کی وصیت کے مطابق انہیں ان کی والدہ کے مقبرہ ''باغ امیر الامراء'' میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ وفات کے وقت علی مردان نے ایک کروڑ روپے سے زیادہ اثاثہ چھوڑا۔ جس میں سے بیشتر ان کے ورثاء میں تقسیم کر دیا گیا اور کچھ رقم عوام الناس کی بھلائی پر خرچ کی گئی۔

نواب علی مردان خان کا مقبرہ' جو ان کی اپنی تعمیر ہے فن تعمیر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔اس کی عمارت سو سوا سو فٹ بلند ہے۔اسے لاہور کا سب سے اونچا مقبرہ قرار دیا جاتا ہے۔عمارت تین منزلہ ہے جو ایک پلیٹ فارم پر بنی ہوئی ہے۔مقبرے کا چبوترہ سطح زمین سے چار پانچ فٹ اونچا ہے۔اس وقت مقبرے کے چبوترے پر پہنچنے کے لئے ایک لکڑی کی سیڑھی رکھی گئی ہے جو اس کی مرمت کے بعد یہاں رکھی گئی تھی۔

دیگر مغل مقابر کی طرح یہاں بھی قبور تہہ خانے میں بنائی گئی ہیں۔اسے مقبرے کی پہلی منزل کہا جا سکتا ہے۔یہ وسیع اور ہوادار ہے۔یہاں روشنی کا بھی خاطر خواہ انتظام کیا گیا ہے۔اس کا فرش اب سادے پتھر کا ہے جو شاید بعد میں مرمت کے بعد لگایا گیا ہوگا۔البتہ در و دیوار پر نقش و نگار کے آثار قدرے باقی بچ رہے ہیں۔اس کی چھت گنبد نما ہے بڑے بڑے روشن دانوں سے سورج کی کرنیں اور ہوا مقبرے میں تروتازگی کا احساس دلاتے ہیں۔یہاں تین قبریں موجود ہیں۔ان میں ایک علی مردان خان کی والدہ اور ایک خاندان کے کسی تیسرے فرد کی ہے۔قبور پر لوگ چادریں ڈالتے اور پھول چڑھاتے ہیں۔

جن دنوں مقبرے کا دروازہ کھلا رہتا تھا تو ضعیف الاعتقاد لوگ یہاں آ کر چراغ جلاتے اور منتیں مانگتے تھے' جنہیں بعد ازاں محکمہ آثار قدیمہ نے روک دیا تا کہ دیواروں پر موجود نقوش و نگار برباد ہونے سے محفوظ رہیں۔اب صرف لوگ قرآن خوانی کرتے نظر آتے ہیں۔

بجلی کی ترسیل سے قبل مقبرے میں روشنی کے لئے چراغ جلانا پڑتا تھا۔۱۹۸۶ء میں محکمہ ریلوے نے مقبرے کو بجلی مہیا کر دی اور اب یہاں ہر وقت ایک بلب روشن رہتا ہے۔تہہ خانے میں جانے کے لئے تین سیڑھیاں اترنی پڑتی ہیں۔

مقبرے کی دوسری منزل یعنی گراؤنڈ فلور چبوترے کے برابر ہے۔کبھی یہاں قیمتی پتھروں کا فرش اور قبروں کے تعویز ہوں گے لیکن اب یہاں ٹوٹا پھوٹا فرش اور اس پر دھول اڑتی نظر آتی ہے۔محکمہ آثار قدیمہ کو اس جانب توجہ دینی چاہئے۔۱۹۸۹ء تک یہاں بکثرت چمگادڑیں چھت سے لٹکی نظر آتی تھیں۔جن کی محکمہ نے البتہ صفائی کر دی ہے۔یوں اب مقبرے کے اس حصہ کی حالت پہلے سے بہتر ہے۔مقبرے کے دروازوں میں لوہے کی جالیاں لگا دینے سے چمگادڑوں کی آمد و رفت بھی رک گئی ہے۔

مقبرے کی دیواروں پر وقت کے ہاتھوں تباہی سے بچ رہنے والے نقوش کی ہلکی ہلکی جھلک اس کے شاندار ماضی کی گواہی

دے رہی ہے۔اس طرح مقبرے کی بیرونی دیواروں پر بھی نقوش صاف دیکھے جا سکتے ہیں۔جنہیں مزید خراب ہونے سے بچانے کی ضرورت ہے۔

مقبرے کی تیسری منزل تک پہنچنے کے لئے یہیں سے دو راستے اوپر کو جاتے ہیں۔چھت کی منڈیر ایک گز اونچی ہے۔گنبد کے ساتھ ساتھ تقریباً تین فٹ چوڑا راستہ ہے۔مقبرہ ہشت پہلو ہے۔اس کے ہر کونے یا پہلو پر ایک خوبصورت برج بنایا گیا تھا۔ جس کے آٹھ در ہیں۔زمانے کے ہاتھوں صرف تین برج ہی بچ رہے ہیں جن کی حالت بھی کچھ زیادہ دل خوش کن نہیں۔سب سے اہم اور قابل ذکر بات کہ مقبرے کا گنبد دوہرا ہے۔اس طرح مقبرے میں موجود تینوں چھتیں گنبد نما ہیں۔

مقبرے کی عمارت ایک خوبصورت اور وسیع باغ میں قائم کی گئی ہے۔اس کا داخلی دروازہ شمال کی سمت تھا۔اس کا ایک دروازہ ریلوے ورکشاپس کی نذر ہو گیا اور اس کے وسیع حوض کو بھی ۱۸۶۳ء میں مسمار کر دیا گیا تھا۔اس وقت داخلہ ویٹ مین روڈ پر ریلوے ورکشاپس (مغلپورہ) کے درمیان واقع راستے سے ہوتا ہے۔چاروں اطراف ریلوے ورکشاپوں اور عمارات کی وجہ سے مقبرے میں داخلہ محدود ہو کر رہ گیا ہے۔مقبرے کا صدر دروازہ مستقل طور پر بند ہے۔انگریز دور میں موجودہ بغلی راستہ بنایا گیا۔اس کے دونوں جانب اونچی دیواریں بنی ہوئی ہیں اور اوپر لوہے کی تار کی چھت سے یہ ایک سرنگ کی شکل اختیار کر گیا ہے۔باہر آہنی گیٹ ہے جو خاص خاص ایام میں ہی کھلتا ہے۔عام لوگ اس راستے سے ناواقف ہیں اس لئے کسی انجان شخص کا مقبرے تک پہنچنا خاصا دشوار ہے۔

مقبرے کا صدر دروازہ ابھی تک موجود ہے۔ اس پر نقش و نگار بہت اچھی حالت میں ہیں۔البتہ عدم توجہی اور ناقص انتظامات کے وجہ سے یہ جگہ چمگادڑوں اور کیڑے مکوڑوں وغیرہ کی آماجگاہ بن چکی ہے۔اس لئے دن کے وقت بھی اس خوبصورت عمارت میں قدم رکھنا مشکل کام ہے۔

نواب علی مردان خان کے مقبرے کو موجودہ خراب حالت میں پہنچانے کے بڑے ذمہ دار سکھ حکمران بالخصوص رنجیت سنگھ تھا۔اس دور میں مقبرے سے قیمتی پتھر اتار لئے گئے۔حتیٰ کہ قبور کے تعویز تک بھی باقی نہ چھوڑے گئے۔مقبرے کی بیشتر عمارات کو گلاب سنگھ بھونڈیہ نے مسمار کرا کر ان اینٹوں سے سکھ فوج کی چھاؤنی تعمیر کرائی۔

صدر دروازہ موراں والی پلٹن کے کرنل گورودت سنگھ نے اپنے تصرف میں لے کر یہاں رہائش اختیار کر لی۔وہ ۱۸۳۴ء میں یہاں قابض ہوا۔اس کے بعد ۱۸۶۷ء میں عام لوگوں کا قبضہ ہو گیا۔انہوں نے رہی سہی کسر بھی نکال دی اور بچ رہنے والی عمارات کو مسمار کرا کر اینٹیں بیچ دیں۔

انگریز حکومت نے ۱۸۸۴ء میں کنہیا لال انجینئر (مصنف ''تاریخ لاہور'') کی وساطت سے مقبرے کی ابتدائی مرمت کرا کر اسے تباہ ہونے سے بچا لیا۔تاہم یہ عام لوگوں کے استعمال میں رہا۔لوگ یہاں کھیتی باڑی کرتے اور جانوروں کا بھوسا و چارہ وغیرہ مقبرے کے تہہ خانے میں جمع کرتے۔ریلوے کی حدود میں آنے کے بعد مقبرے کے گرد اونچی دیواریں تعمیر ہو گئیں جس سے مقبرہ نظروں سے اوجھل ہو گیا مگر مزید تباہی سے محفوظ رہا۔اس وقت مقبرہ اچھی حالت میں نہیں۔اس کی بحالی کے کام کی اشد ضرورت ہے۔اگر کچھ عرصہ مزید اسے اس کے حال پر چھوڑا گیا تو اس کا وجود تیزی سے مٹنے لگے گا۔

والئی ملتان نواب مظفر خان شہید

ظہور احمد دھریجہ

والئی ملتان نواب مظفر خان شہید ۴ مارچ ۱۷۵۷ء ملتان کے شاہی محل واقع ابدالی روڈ میں نواب شجاع الدین کے ہاں پیدا ہوئے۔نواب مظفر خان کی تعلیم وتربیت خالص اسلامی ماحول میں ہوئی۔نواب شجاع خان اپنے بیٹے کو حضرت حافظ جمال اللہ ملتانیؒ کے درس میں حصولِ علم کے لئے بھیجا کرتے۔سات سال کی عمر میں آپ نے ناظرہ قرآن مجید کا ختم کیا۔اس کے بعد دینی تعلیم اور فن سپاہ گری کی طرف توجہ دی گئی۔چند سال کے قلیل عرصے میں آپ نے تعلیم وتربیت کا عمل مکمل کرلیا۔

حضرت حافظ جمال اللہ ملتانیؒ روحانی پیشوا ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑے سکالر اور سرائیکی زبان کے شاعر بھی تھے۔آپ کے ہاں علمی و ادبی اور عسکری محفلیں بھی برپا ہوتی تھیں۔ان محفلوں کا مظفر خان کی طبیعت پر خوشگوار اثر ہوا' کم عمری کے باوجود آپ اپنے اساتذہ سے ایسے سوال پوچھ لیتے کہ استاد حیران رہ جاتے۔

ایک روایت کے مطابق ایک مرتبہ مظفر خان نے اپنے استاد سے پوچھا کہ ملتان شہر کی تاریخ کتنی پرانی ہے اور یہ کہ ملتان کی عظمت بارے مشہور فارسی شعر۔

ملتان ماء بجنت اعلی برابر است
آہستہ پابنہ کہ ملک سجدہ می کنند

کس سے منسوب ہے؟استاد نے جواب دیا کہ ملتان شہر کی تاریخ کے بارے تعین اس لئے نہیں کیا جاسکتا کہ اس کی تاریخ ہزار ہا سالوں پر محیط ہے۔صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ ملتان کائنات کا واحد شہر ہے جو ہزاروں سالوں سے مسلسل آباد ہے اور جہاں تک ملتان کی عظمت کے بارے میں شعر کا تعلق ہے تو یہ شعر حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ سے منسوب ہے۔جب نواب مظفر خان نے یہ باتیں اپنے استاد سے سنیں تو فرطِ مسرت سے جھومنے لگے اور بے ساختہ ان کی زبان سے یہ جملہ ادا ہوا کہ جس شہر میں فرشتے سجدہ کررہے ہیں اس کو قیامت تک نہیں مٹایا جاسکتا' اور ہم خوش قسمت ہیں کہ خدا نے ہمیں ملتان شریف میں پیدا فرمایا۔

حضرت حافظ جمال اللہ ملتانیؒ کی تعلیم وتربیت کا یہ اثر ہوا کہ نواب مظفر خان کم عمری میں ہی امور مملکت کے رموز سے آشنا ہوگئے۔چنانچہ آپ کے والد نواب شجاع الدین خان نے محض ۱۳ سال کی عمر میں مظفر گڑھ کا علاقہ (جہاں وقتاً فوقتاً سکھوں کے حملے ہوتے رہتے تھے) نواب مظفر خان کے حوالے کیا۔نواب مظفر خان نے حملوں کے دفاع کے لئے سب سے پہلے خان گڑھ کا قلعہ تعمیر کروایا جو دفاعی نقطہ نظر کے علاوہ فنِ تعمیر کے حوالے سے اپنی مثال آپ تھا۔اس دوران سکھوں نے ملتان پر قبضے کے لیے حملے تیز کردیئے اور ملتان کا گھیرا تنگ کیا جانے لگا۔حملہ آور سکھوں سے جنگ کے

مقدس مشن میں نواب شجاع الدین کے ساتھ نواب مظفر خان اور حضرت حافظ جمال اللہ ملتانیؒ بھی شریک ہوئے اور سکھوں کے خلاف کئی معرکے سر کئے۔نواب شجاع الدین خان اپنی علالت اور بڑھاپے کے باعث حضرت حافظ جمال اللہ ملتانیؒ کے ہاں گوشہ نشین ہو کر اللہ اللہ کرنے لگے اور امور مملکت اپنے بڑے بیٹے نواب مظفر خان کے حوالے کر دیئے۔۱۷۷۲ء کو نواب شجاع الدین خان فوت ہو گئے۔والد کی وفات کے بعد تخت ملتان کی ذمہ داریوں کا بہت بڑا بوجھ نواب مظفر خان کے سر پر آ گیا۔

نواب شجاع الدین کی وفات کے فوری بعد بھنگی مثل کی سکھ فوج ملتان پر حملہ آور ہو گئی۔ملتان میں داخل ہوتے ہی سکھا فوج نے قتل و غارت اور لوٹ مار شروع کر دی۔سینکڑوں مرد اور خواتین کے ساتھ معصوم بچوں کو بھی تہہ تیغ کر دیا گیا۔شاہی خزانے سے اسلحہ سونا چاندی نوادرات نقدی اور دوسرا اسباب لوٹنے کے بعد سکھ فوجی گھروں میں داخل ہو گئے اور ملتان کے نہتے شہریوں سے ہزاروں سیر سونا چاندی اور کروڑوں کی جائیداد لوٹ کر لاہور لے گئے۔قبضے کے بعد سکھ فوج نے اسلامی مملکت ملتان کا تمام نظام درہم برہم کر دیا' عالیشان عمارتوں کو مسمار کر دیا۔علمی مراکز اور لائبریریوں کو آگ لگا دی گئی اور عبادت گاہوں کی بے حرمتی کی گئی اور باغات اجاڑ دیئے گئے۔ بربریت اور لوٹ مار کے بعد سکھ فوج واپس گئی تو ۲۳ سال کے نوجوان نواب مظفر خان کو تباہ حال ملک کو سنبھالا دینے کے لئے سخت محنت کرنی پڑی۔

سکھ فوج کی واپسی کے بعد ملتان کا دوبارہ اقتدار سنبھالتے ہی نواب مظفر خان سکھ گردی کا شکار ہونے والے گھروں میں گئے لواحقین اور متاثرین کو پرسہ اور حوصلہ دیا۔ ملتان کی دوبارہ آبادکاری کے لئے اقدامات کئے۔نئے سرے سے باغات لگوائے۔محکمہ مال اور دفاعی نظام کو از سر نو تشکیل دیا گیا۔ انصاف کی فراہمی کے لئے قاضی کورٹس قائم کیں۔تعلیم کے لئے درسگاہیں قائم کی گئیں۔زراعت کے لئے جامع منصوبہ بندی کی گئی۔ان اقدامات کے نتیجے میں جنگ سے شکستہ حال ملتان کی حالت بدلنا شروع ہو گئی۔اسی اثناء میں سکھوں نے مزید حملے کئے' مگر ریاست بہاولپور کے نواب کی مدد سے نواب مظفر خان نے ان حملوں کو پسپا کر دیا۔سکھوں کی یورش اور حملوں کے باوجود نواب مظفر خان نے ملتان کی بحالی کا عمل جاری رکھا اور ملتان کی ترقی کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔انہوں نے عظیم اسلامی سلطنت ملتان کی ترقی کے لئے سڑکیں بنوائیں' نہریں کھدوائیں' قلعے تعمیر کروائے' نئے شہروں کی بنیاد رکھی' کتب خانوں اور صنعت و حرفت کو ترقی دی۔آثار قدیمہ کی حفاظت کے لئے اقدامات کئے ہنر مندوں اور دستکاروں کی حوصلہ افزائی کی گھریلو صنعتوں کو فروغ دیا اور برآمدات میں اضافہ کر کے ملتان کو ایک بار پھر مضبوط اور خوشحال بنا دیا۔مگر حریص اور ہوس پرست سکھوں کے لئے یہ صورت حال ناقابل برداشت تھی۔سکھوں نے ملتان پر قبضے کے لئے یکے بعد دیگرے سات حملے کئے۔ان تمام حملوں کا نواب مظفر خان نے مردانہ وار مقابلہ کیا جس کے باعث نواب مظفر خان کو شجاع ابن شجاع کا خطاب دیا گیا۔

مسلسل سات حملوں میں شکست کے بعد پنجاب کے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو یقین ہو گیا کہ مظفر خان کو جنگ کے ذریعے شکست نہیں دی جا سکتی۔چنانچہ رنجیت سنگھ نے منافقانہ چال چلی اور نواب مظفر خان کو صلح کا پیغام بھیج کر ۱۸۰۲ء میں دریا عبور کر کے ڈیرہ غازی خاں کے قصبے مہتم آ گیا۔وہ نواب مظفر خان کے لئے تحائف لایا اور سابقہ حملوں کی معافی طلب کی اور اپنے بابا گورونانک کی قسم کھا کر کہا کہ میں آئندہ ملتان پر حملہ نہیں کروں گا۔مگر ساتھ ہی ریاست ملتان میں غداروں کی تلاش شروع کر دی۔چنانچہ رنجیت سنگھ کو عبدالصمد بادوزئی آف بھکر کی شکل میں ایک غدار مل گیا' جس نے ریاست ملتان میں سازشوں کا جال بچھا دیا اور نواب

مظفر خان کے بڑے بیٹے سرفراز خان پر ڈورے ڈال کر اس کو اپنا ہمنوا بنایا اور ریاست کی جاسوسی اور دوسری تخریبی کارروائیاں تیز کر دیں۔ سرفراز خان کی حماقتوں اور کج ادائیوں کے باعث رنجیت سنگھ کو ایک بار پھر ملتان پر حملے کا موقع مل گیا۔

۱۸۱۸ء کے اوائل میں مسلمانوں کے غدار نواب عبدالصمد بادوزئی نے رنجیت سنگھ کو ملتان پر حملے کی دعوت دی۔ چنانچہ سکھوں کی بھنگی مثل نے جدید اسلحہ اور جنگی ساز و سامان سے لیس ہو کر ملتان پر حملہ کر دیا۔ قلعہ ملتان کو فتح کرنے کے لئے تین مہینے جنگ ہوتی رہی۔ مگر سکھا فوج ملتان کا قلعہ فتح نہ کر سکی۔ اس کے بعد سکھوں نے نئی کمک منگوائی۔ چنانچہ سکھوں کی بارہ مثلوں سے ہزاروں گھڑ سوار فوجی ملتان پر حملہ آور ہوئے۔ جنہوں نے آتے ہی ملتان پر چڑھائی کر دی اور قلعے کی دیواروں میں دراڑ ڈال کر اندر داخل ہو گئے۔ اس موقع پر ملتان کی سپاہ کے ساتھ نواب مظفر خان اور ان کے بیٹے سرفراز خان، ذوالفقار خان، شاہ نواز خان، ممتاز خان، شہباز خان، اعزاز خان، امیر باز خان اور ایک بیٹی صبیحہ بی بی جنگ میں شریک ہوئی۔ جنگ کے دوران رنجیت سنگھ کی طرف سے نواب مظفر خان کو ہتھیار ڈالنے کا حکم دیا گیا۔ نواب مظفر خان نے کہا کہ مسلمان کبھی کافر کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالتا۔ پیغام ملا کہ جان کی امان لے لو۔ عظیم ملتانی فرمانروا نے جواب دیا کہ مسلمان کو جان کی نہیں ایمان کی فکر ہوتی ہے۔ نواب مظفر خان چند سو سپاہیوں کے ساتھ ہزاروں سکھوں کا مردانگی سے مقابلہ کرتے رہے اور سینکڑوں سکھوں کو واصلِ جہنم کیا۔ اس دوران نواب مظفر خان کا پیارا بیٹا ذوالفقار خان شہید ہو گیا۔ سکھا فوج کی طرف سے پیغام آیا کہ بوڑھے مظفر اب تمہاری کمر ٹوٹ گئی ہے، اب ملتان کی کنجی ہمارے حوالے کر دو۔ نواب مظفر خان نے کہا ''وہ میرے پیٹ میں ہے''، سکھوں نے دو اور بیٹوں اور بیٹی کو شہید کر دیا اور کہا کہ اب ہتھیار ڈال دو۔ نواب مظفر خان نے جواب دیا، اس مٹی پر آٹھ بیٹے تو کیا، آٹھ لاکھ بیٹے ہوں تب بھی ایک ایک کر کے قربان کر سکتا ہوں، مگر ظالم لیٹرے اور کافر کے آگے ہتھیار نہیں ڈال سکتا۔ نواب مظفر خان نے آخری دم تک سکھ فوج کے ساتھ جنگ کی اور ہتھیار نہ ڈال کر رسم شبیری ادا کر دی۔

نواب مظفر خان کی شہادت کے بعد بڑے لڑکے سرفراز خان اور سب سے چھوٹے بیٹے امیر باز خان عمر تین سال کو قید کر کے لاہور لے گئے اور ملتان پر ایک بار پھر لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم کرتے ہوئے ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے۔

نواب مظفر خان شہید نے اتنی بڑی قربانی دی کہ تاریخ اسلام اور تاریخ عالم میں اسے سنہری لفظوں سے لکھا جانا چاہئے تھا، مگر افسوس کہ پنجاب کے جھوٹے تاریخ نویسوں نے رنجیت سنگھ کو ہیرو کے طور پر پیش کیا اور نواب مظفر خان شہید کا ذکر گول کر دیا۔ اس میں قصور صرف غیروں کا ہی نہیں اپنوں کا بھی ہے۔ سرائیکی وسیب کے سیاست دانوں، دانشوروں اور علماء نے عظیم مسلم فرمانروا نواب مظفر خان شہید کو نظر انداز کیا ہوا ہے اور نواب مظفر خان کے خونی رشتے دار پٹھانوں مثلاً ملتان کے درانی، خاکوانی اور ترین وغیرہ نے کبھی بھولے سے بھی مظفر خان کا نام نہیں لیا حالانکہ ان حضرات کے پاس نواب مظفر خان شہید کے دور کی آج بھی اربوں کھربوں کی جائیداد موجود ہے۔ ان حضرات کا رویہ نہایت افسوسناک اور قابل مذمت ہے۔

آج نواب مظفر خان شہید کی خدمات پر ریسرچ اور تحقیق کرنے اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور کارناموں کو اجاگر کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں بہاؤالدین ذکریا یونیورسٹی اور سرائیکی ریسرچ سنٹر کام کا آغاز کرے تو یہ بہت بڑی خدمت ہوگی۔

متوازن خوراک کی فراہمی سے

فصل کے معیار پر اثرات اور بیماری پر قابو

لنگر خان

پودے کو متوازن خوراک دینے سے ضیائی تالیف کے دوران بننے والے عناصر کو بڑھا کر اوسط پیداوار میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر کاشتکار چاہتے ہیں کہ اوسط پیداوار بڑھانے کے ساتھ ساتھ فصل کا معیار بھی بہتر اور بیماری کم ہو تو پھپھوندی کش اور کیڑے مار ادویات کا استعمال پودے کی بڑھوتری کے دوران ہونا چاہیے اور کاشت کرتے وقت ان اقسام کو مدنظر رکھنا چاہیے، جن پر بیماری کا کم اثر ہو۔ ایسے حالات میں اگر پودے کو متوازن خوراک دی جائے تو پودے کی صحت اور بڑھوتری اچھی ہوتی ہے جس کی وجہ سے بیماری کا حملہ بھی کم ہوتا ہے اور تندرست فصل اچھی پیداوار دیتی ہے لیکن پودے کو متوازن خوراک زمین میں دینا مشکل ہے۔ اس لیے مکمل طور پر بیماری کو قابو کرنا آسان کام نہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ پودا بیمار کیوں ہوتا ہے؟ یہاں پر غور طلب امر یہ ہے کہ پودے میں بیماری پیدا

> جب پودا پکنے کے قریب ہوتا ہے تو سٹریس آ جاتا ہے۔ لیکن ایسا ممکن ہے کہ پودے کو بڑھوتری سے پھل بننے کے عمل (Maturity) کی طرف جلدی لے جانے سے فصل کی برداشت جلد کی جا سکتی ہے اور کوالٹی بھی اچھی لی جا سکتی ہے۔

کرنے والے جراثیم Pathogen کا داخلہ کیسے کم کیا جائے؟ اس لیے ضروری ہے کہ اقسام کی اچھائی اور کمزوری کا کاشتکار کو علم ہو۔

ریسرچ اور مشاہدے کے مطابق بہتر پیداوار کے لیے پودے کو تمام اجزائے کبیرہ و صغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن دو اجزا ایسے ہیں جو پودے میں قوتِ مدافعت پیدا کرتے ہیں۔ ان میں نائٹروجن اور کیلشیم شامل ہیں۔ یہ دونوں اجزا میرے تجربات کی بنا پر بڑھوتری اور زمین کی اصلاح کے لیے استعمال ہوتے ہیں لیکن ان کو زمین میں مناسب مقدار میں قائم رکھنا مشکل کام ہے۔ یہ پودے میں ہارمون پیدا کرتے ہیں اور پودے کو مشکلات سے نکالتے ہیں۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ پودے خوراک کیسے

حاصل کرتے ہیں۔اگر اس بات کا علم کاشتکار کو ہو جائے تو وہ بہتر پیداوار اور زیادہ نفع کما سکتا ہے۔اس میں شک نہیں کہ بیماری کا حملہ غیر متوازن خوراک دینے کی وجہ سے بڑھ جاتا ہے۔

امائن (Amine) امائیڈ (Amide) اور پروٹین (Proteine) امونیا سے بڑھ جاتی ہیں۔خاص طور پر اس وقت جب پودے کا امونیا یا نائٹریٹ زیادہ ہو جائے۔نائٹروجن کے ساتھ کیلشیم استعمال کرنے سے پودے کی خلوی دیوار میں عمل تحلیل (Decomposition) شروع ہو جاتا ہے اور (Cellwall Acid) کی تعدیل (Neutrilization) ہو جاتی ہے جس سے پودے میں مدافعت بڑھ جاتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اکثر بیماریوں کو پھپھوندی کش ادویات سے کم کیا جا سکتا ہے۔کافی بیماریاں ایسے خامرے (Enzymes) بناتی ہیں جن سے بیماری کا اثر بڑھ جاتا ہے۔کیلشیم کے استعمال سے ان خامروں میں کمی آ جاتی ہے جس سے پودے میں قوت مدافعت بڑھ جاتی ہے۔ پودے کے پتے یا جڑوں پر جب بیماری کے Spores پیدا ہوتے ہیں تو اگر پودے میں کیلشیم کی کمی ہو تو یہ مزید بڑھ جاتے ہیں۔

کیلشیم پودے کی Biomembrane کو مضبوط کرتی ہے۔بیماری اکثر پودے کی خلوی دیوار میں کیلشیم کی کمی کی وجہ سے ہوتی ہے اور جب بھی پودے کی خلوی دیوار میں کیلشیم کی کمی کی وجہ سے دراڑ آئے تو بیماری اس میں سے پودے میں داخل ہو جاتی ہے۔خاص طور پر پودے کا جھلساؤ کے بیج 36 کلومیٹر تک اڑ کر جا سکتے ہیں۔پچھیتے جھلساؤ Late Blight کے بیج جڑوں کے راستے داخل ہوتے ہیں۔جہاں سے پانی اور خوراک پودے میں داخل ہوتی ہے اور یہ جڑوں کے بال Roots Hairs کا 10 ملی میٹر Root Caps کا حصہ ہوتا ہے۔یہ وہ حصہ ہے جہاں Orbanic Acids اور شوگر کی Leakage ہوتی ہے۔جہاں پانی روایتی طریقہ سے دیا جاتا ہو اور Fermentation ہو رہی ہو وہاں بیماری کا حملہ زیادہ ہوتا ہے۔کیونکہ پچھیتے جھلساؤ کا حملہ پودے پر آخری مراحل میں ہوتا ہے' تو ظاہری طور پر اگر جڑیں زخمی ہوں گی تو آلو کی فصل میں شوگر اس کے ٹیوبرز میں چلی جاتی ہے اور جڑوں میں ان کی کمی انہیں Leaky کر دیتی ہے۔اس وقت پتے بھی زیادہ زُود حِس ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے جھلساؤ کی بیماری پودے پر زیادہ حملہ کرتی ہے کیونکہ اس وقت ضیائی تالیف کا عمل جاری ہوتا ہے اور پودے میں پتوں کا آخری وقت ہوتا ہے۔

ان حالات میں جب پودے میں دباؤ ہوتا ہے تو بیماری کے امکانات زیادہ ہو جاتے ہیں۔زیادہ نائٹروجن دینے سے Amino Acids بڑھ جاتے ہیں جس سے جھلساؤ کا حملہ شدید ہو جاتا ہے۔اس وقت مندرجہ ذیل باتوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

☆ ۱-زیادہ نائٹروجن دینے سے Organic Acids بڑھ جاتے ہیں۔

☆ ۲-Organic Acids جڑوں سے زیادہ کیلشیم حاصل کر لیتے ہیں۔

☆ ۳-جڑیں اچھی خلوی دیوار کے لیے ناکافی ہوتی ہیں۔

☆ ۴-جڑیں زخمی ہو جاتی ہیں۔

☆ ۵-دباؤ سے پروٹین

Hydrolyze ہو جاتی ہے اور امونیا بنتی ہے۔

☆ ۶-پودے میں دباؤ آ جاتا ہے۔

☆ ۷-امونیا سے Ethylene پیدا ہوتی ہے۔

☆ ۸-Ethylene سے خلوی دیوار کمزور ہو جاتی ہے۔

ان حالات میں جھلساؤ کی بیماری بڑھ جاتی ہے۔ یہ زیادہ تر اس وقت ہوتی ہے جب خشکی کا دباؤ ہو اور اس کے بعد پانی دیا جائے۔ ان حالات میں پھول اور پھل گرتے ہیں کیونکہ اس وقت Ethylene کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔

پودے کو ان حالات میں مندرجہ ذیل سفارشات کے ذریعے بچایا جا سکتا ہے۔

☆ ۱-زمین کے پانی کا نکاس اچھا ہونا چاہیے۔

☆ ۲-فاسفورس کا استعمال زیادہ ہونا چاہیے۔

☆ ۳-کلورائیڈ کا استعمال کرنا چاہیے جو جھلساؤ کے لیے Toxic ہوتے ہیں۔

☆ ۴-کیلشیم کا استعمال زیادہ کرنا چاہیے۔

☆ ۵-نائٹروجن کا استعمال کم ہونا چاہیے۔

☆ ۶-بوران کا استعمال ضرورت کے مطابق کرنا چاہیے۔

☆ ۷-نائٹروجن کو امونیا کی شکل میں استعمال کرنا چاہیے۔

☆ ۸-نائٹریٹ کی شکل میں نائٹروجن نہیں دینی چاہیے۔

اس لیے ہم N C اور NPK-C+Cabon کے فلوئیر استعمال کی سفارش کرتے ہیں۔ NC کے ساتھ یوریا ملا کر دینے سے پودا امونیم NH4 اور کیلشیم جڑوں سے حاصل کرتا ہے تو جڑوں میں Leakage کم ہوتی ہے اور بیماری کا اثر کم ہو جاتا ہے۔ آلو ٹماٹر وغیرہ میں ایسا کرنے سے جھلساؤ میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

میں نے سبزیوں میں خاص طور پر کھیرے اور ٹماٹر پر تجربات کیے ہیں اور دیکھا ہے کہ ایسا کرنے سے پودے میں کافی حد تک قوت مدافعت آ جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں جب پودا پکنے کے قریب ہوتا ہے تو سٹریس آ جاتا ہے۔ لیکن ایسا ممکن ہے کہ پودے کو بڑھوتری سے پھل بننے کے عمل (Maturity) کی طرف جلدی لے جانے سے فصل کی برداشت جلد کی جا سکتی ہے اور کوالٹی بھی اچھی لی جا سکتی ہے۔

☆☆☆☆

گنجا پن

محمد سہیل قیصر ہاشمی

باریک، لچک دار ریشے جو کھوپڑی اور انسانی جسم کے مختلف حصوں پر نکلتے ہیں انہیں "بال" کہا جاتا ہے۔ بالوں کو انسانی جسم میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ نہ صرف انسانی جسم کی خوبصورتی میں اضافہ کرتے ہیں بلکہ یہ جلد کی حفاظت اور اسے سخت رکھتے ہیں۔

بال کے دو حصے ہوتے ہیں۔ بال کا ریشہ اور کھوپڑی کے اندر اترے ہوئے گول سروں کو "بلب" کہتے ہیں۔ کھوپڑی کا وہ سوراخ جس میں سے بال نکلتا ہے Follice کہلاتا ہے۔ اس کے چاروں طرف خون کی باریک باریک نالیاں ہوتی ہیں جن سے بال اپنی خوراک حاصل کرتا ہے۔ بال ایک ماہ کے عرصے میں تقریباً آدھ انچ بڑھتا ہے۔ ایک بال عام طور پر دو سے چھ سال تک سر میں رہتا ہے اس کے بعد جھڑ جاتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا بال لے لیتا ہے۔

جب کسی شخص کی کھوپڑی کے خلیے کمزور ہو کر کام کرنا بند کر دیتے ہیں تو پرانے بال تو گر جاتے ہیں مگر ان کی جگہ نئے بال نہیں نکلتے۔ اس طرح آدمی گنجا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ آج تک کوئی بھی اس بات کا ٹھیک طرح سے اندازہ نہیں لگا سکا کہ آدمی گنجا کیوں ہوتا ہے۔ بعض ماہرین کے مطابق گنجے پن کی بیماری موروثی ہوتی ہے یعنی یہ نسل در نسل چلتی ہے۔ والدین سے بچوں میں منتقل ہوتی ہے۔ بعض ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ پریشانی، ذہنی دباؤ، دماغی کام کی زیادتی اس کا سبب بنتی ہے۔

گنجے پن کا مرض دنیا میں روز بروز بڑھ رہا ہے۔ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ اگر اس کی رفتار یہی رہی تو ایک صدی کے بعد کسی کے سر پر بال نہ ہوں گے۔ یہ مرض عموماً سفید فام میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ گنجے پن کی وجوہات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ:

1- لمبوترے سر میں دورانِ خون زیادہ تیز ہوتا ہے لیکن بیضوی شکل کے سر میں خون کے خلیے دب جاتے ہیں اور خون کا دورانیہ کم ہوتا ہے اس لئے بالوں کی تعداد کم ہو جاتی ہے۔

2- زیادہ دماغی کام کرتے رہنے سے ہمارے دماغ کا حجم بڑھتا رہتا ہے لیکن کھوپڑی اور بیرونی کھال کا حجم اس کے ساتھ نہیں بڑھتا۔ جس کے نتیجے میں دورانِ خون ٹھیک نہیں ہوتا۔ بالوں کو ضروری غذا مناسب مقدار میں نہیں ملتی جس سے بال جھڑنا شروع ہو جاتے ہیں۔

زمانہ قدیم میں گنجے پن کے بارے میں دلچسپ باتیں مشہور تھیں کہ اللہ میاں کی غیبی انگلی جس سر پر جس جگہ چھو جائے وہاں گنج نمودار ہو جاتا ہے اور یہ اس بات کا اشارہ ہوتا ہے کہ اب سر پر کوئی کپڑا وغیرہ اوڑھ لیا جائے۔ بڑی عورتیں اسے تنگ ہیٹ پہننے کا شاخسانہ قرار دیتی تھیں۔ ماہر

نفسیات کی دلچسپ رائے کے مطابق زیادہ ہنسنے سے بھی بال گرنے لگتے ہیں۔ان کے مطابق چہرے کے کچھ اعصاب بالوں کی جڑوں تک پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔جب آپ ایک خاص انداز میں قہقہہ لگاتے ہیں یا مسکراتے ہیں۔ان اعصاب میں اینٹھن کی وجہ سے بالوں کی جڑوں کو خون کی سپلائی کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے۔

قدیم اطباء کے مطابق بیماری اور بیماری کے بعد کچھ لوگ گنجے ہو جاتے ہیں لیکن کچھ عرصہ بعد ان کے بال دوبارہ اُگ آتے ہیں۔سکری جسے عام زبان میں خشکی کہا جاتا ہے اس سے سر کے بالوں میں سفید سفید ذرّے پیدا ہونے لگتے ہیں اور ہاتھ مارنے یا سر کھجلانے سے نیچے گرتے رہتے ہیں۔بعض اوقات خشکی کے یہ چھلکے آنکھوں اور چہرے پر گر کر پلکوں میں خارش اور چہرہ کے مسام بند کر کے کیل مہاسے نکلنے کا سبب بنتے ہیں۔ہر وقت کھجلانے سے سر میں زخم ہو کر باہر کے جراثیم اندر داخل ہو جاتے ہیں اور بال گرنا شروع ہو جاتے ہیں۔

مٹھائیاں یا زیادہ میٹھی چیزیں اور گرم میوے کھانے سے بھی ایسی جلدی بیماریاں بڑھ جاتی ہیں۔تنگ ٹوپی پہننے سے کن پٹیوں کی رگیں دب جاتی ہیں اور دورانِ خون کمزور ہونے سے بالوں کو غذا کی ترسیل بند ہو کر بال گرنا شروع ہو جاتے ہیں۔

جدید تحقیق کے مطابق اس کا سبب ایک نباتاتی مادہ فنگس (Fungus) کو قرار دیا گیا ہے۔مردوں میں مردانہ ہارمون اینڈروجن کی اضافی پیداوار اور عورتوں میں اینڈرینل غدود کا نقص یا ان کی ضرورت سے زیادہ کارکردگی، بیضہ دانی کی خرابی، بالوں کے گرنے میں بہت حد تک معاون ہے۔ ہمارے بالوں کی جڑوں میں چکنے مادے کی کثرت سے بھی بال گرنے لگتے ہیں۔

ایک ماہر کی تحقیق کے مطابق جس آدمی کے بال اُڑنے والے ہوتے ہیں ان کے سر کے نیچے والی چکنائی پہلے ختم ہو جاتی ہے جس سے خون کا دورہ بالوں کی جڑوں کی طرف کم ہو جاتا ہے اور غذائیت کی کمی کی وجہ سے بال جھڑنے لگتے ہیں۔اس ماہر کے مطابق وہ لوگ بھی زیادہ گنجے ہوتے ہیں جن میں جنسی قوت زیادہ ہوتی ہے۔جس کے نتیجے میں کھوپڑی کی چربی پگھلنے لگتی ہے اور عضلات میں سکیڑ پیدا ہو کر خون کے دورے میں تبدیلی ہو جاتی ہے اور کھوپڑی متاثر ہوتی ہے۔

بعض اوقات ہائی بلڈ پریشر، امراضِ قلب، معدہ، جگر کی خرابی، پرانا نزلہ زکام، ٹائیفائیڈ، انفلوانزا اور شوگر کی وجہ سے بھی بال گرنا شروع ہو جاتے ہیں۔آئرن اور وٹامن اے بی کی کمی بھی بالوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔

ایک اور تحقیق کے مطابق جو لوگ چینی یا چینی سے بنی ہوئی چیزوں کا زیادہ استعمال کرتے ہیں انہیں حیاتین ب کی کمی ہو جاتی ہے۔جس سے سر کی جلد میں خشکی پیدا ہو کر شدید قسم کی سوزش پیدا ہو جاتی ہے۔البتہ پھلوں میں جو مٹھاس قدرتی حالت میں پائی جاتی ہے چنداں مضر نہیں ہے۔اس ضمن میں ایک عالمی شہرت یافتہ ماہر غذائیات ڈاکٹر جون یڈکن کا مشورہ ہے کہ ایسے افراد کو کھانے میں خالص شکر کا استعمال چھوڑ دینا چاہئے لیکن شکر کی اس قدرتی شکل سے پرہیز نہ کریں۔جو پھلوں، سبزیوں میں پائی جاتی ہے۔

آج کل لڑکیوں کو بھی بال کٹوانے کا شوق اور رواج جڑ پکڑ رہا ہے۔اگر مزید پچاس برس تک یہ صورت حال رہی تو خیال کیا جاتا ہے کہ لڑکیاں کثیر تعداد میں گنجی ہو جائیں گی۔اس امر کا انکشاف منیجر یونیکے

خاتمے کے لئے عالمی سطح پر منعقد ہونے والے ایک سیمینار کی اختتامی رپورٹ میں کیا گیا۔یہ سیمینار سان فرانسسکو میں اگست 1992ء میں ہوا۔اس رپورٹ میں مزید بتایا گیا کہ عورت کے بال مرد کے بالوں کی نسبت نازک ہوتے ہیں۔اگر عورتوں نے لڑکوں کی طرح چھوٹے بال رکھنا نہ چھوڑے تو کچھ عرصہ بعد وہ گنجے پن کا شکار ہو جائیں گی۔یہ رپورٹ پانچ ہزار خواتین کے بالوں پر تحقیق کے بعد بنائی گئی۔رپورٹ میں مردوں کے گنجے پن کا بھی یہی علاج قرار دیا گیا کہ اگر مرد عورتوں کی طرح لانبے بال رکھنا شروع کر دیں جیسا ماضی میں امریکی باشندوں کے ہوتے تھے تو وہ گنجے پن سے چھٹکارا پا سکتے ہیں۔

ان تمام باتوں سے بالاتر ہو کر اگر دیکھا جائے تو کچھ لوگ اپنے گنجے پن سے ذرا بھی نہیں گھبراتے اور نہ وہ اس کو اپنے مقصد کے حصول میں رکاوٹ نہیں سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں میں سے ایک شخص نے جاپان کے دارالحکومت ٹوکیو میں گنجی کھوپڑیوں کا مقابلۂ حُسن منعقد کروایا۔جس میں جاپان کے نامی گرامی گنجے شریک ہوئے۔ججوں نے تمام گنجوں کی کھوپڑیوں کا بغور معائنہ کیا اور 69 سالہ ایک بوڑھے "ہی کو سے بورو کارموتو" کی کھوپڑی کو جاپان کی بہترین کھوپڑی قرار دیا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ "کاموتو" کی کھوپڑی سب سے زیادہ شفاف اور چمکیلی تھی۔سب سے بڑی بات یہ کہ اس کی کھوپڑی روشنی کی شعاعوں کو منعکس کرتی تھی۔ججوں نے اندھیرے کمرے میں اس کی کھوپڑی پر ٹارچ کی روشنی ڈالی تو اس کی چمک سے سارا کمرہ روشن ہو گیا۔

گنجے پن کا علاج دریافت کرنے کے لئے بے شمار دعوے کئے جاتے ہیں لیکن ابھی تک اس کا مستقل حل نہیں ڈھونڈا جا سکا۔عوامی جمہوریہ چین کے ایک اِکو پنکچر ڈاکٹر نے اکتوبر 1983ء میں گنجے پن کا علاج دریافت کرنے کا دعویٰ کرتے ہوئے کہا کہ وہ تین سوئیوں کا استعمال کر کے گنجے پن کا علاج کرتے ہیں۔ 70 سالہ ڈاکٹر "یان" تین میں سے دو سوئیاں گردن میں اور ایک سر میں پیوست کرتے تھے۔ان کے خیال کے مطابق سر کے بالوں کا گرنا اعصابی کمزوریوں کا نتیجہ ہے اور ان کے علاج کے تین سے چھ ماہ تک کے عرصہ میں حوصلہ افزاء نتائج سامنے آجاتے ہیں۔

جولائی 1986ء میں چین ہی کے ایک ڈاکٹر کے مطابق "ٹریچوجن" ایک ایسا مادہ ہے جس سے بالوں کی نشوونما میں بڑی مدد ملتی ہے۔ان کے فارمولے میں چالیس ممالک کے ماہرین نے گہری دلچسپی لی۔بعد ازاں انہوں نے بیجنگ میں ایک فیکٹری میں "داباؤ ٹریچوجن کیولز" کے نام سے دوائی کی تیاری شروع کر دی۔ڈاکٹروں نے اس فارمولے کو کئی برسوں تک گنجوں پر آزمایا۔

مئی 1987ء میں امریکہ کی ایک مشہور کمپنی روجین نے مینوکسڈل کے نام سے ایک ایسا آئل تیار کیا جس کے بارے میں کمپنی کا دعویٰ تھا کہ یہ گنجے پن کا شرطیہ علاج ہے۔اس دوا کے ذریعے ایک سال کے علاج کی فیس چھ سو امریکی ڈالر بنتی تھی۔ اس کمپنی کا دعویٰ تھا کہ اس کی دوا 45 فیصد افراد کے گنجے پن کو ختم کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

آج کل پیوند کاری کے ذریعے مصنوعی بالوں کی افزائش کا تجربہ خاصا کامیاب جا رہا ہے اور بہت سے گنجے اس سے مستفید بھی ہو رہے ہیں۔بالوں کی پیوند کاری کے سلسلے میں گذشتہ کئی سال سے کام کرنے والے ڈاکٹر الیور نے کہا ہے کہ انہوں نے بال پیدا کرنے والے خلیوں کا پتہ

لگالیا ہے اور انہیں تلاش کر کے ان کی لیبارٹری میں افزائش کی جا سکتی ہے۔ جس کے ذریعے ایسے مقامات پر جہاں بال اڑ گئے ہوں، بال پیدا کرنے والے خلیے چھوٹے سے آپریشن کے ذریعے پیوند کئے جا سکیں گے۔ ابھی تک ایسا طریقہ ایجاد نہیں ہوا کہ کسی دوسرے شخص کے بالوں کی جڑیں نکال کر گنجوں کے سر پر اُگا دی جائیں۔ چنانچہ گنجے انسان کی اپنی کنپٹی سے یا پچھلی طرف سے بالوں کی جڑیں لے کر ٹرانس پلانٹ کرنی پڑتی ہیں مگر ایک ہی جگہ سے بالوں کی جڑیں نہیں لی جاتیں کیونکہ اس طرح وہ جگہ گنجی ہو جائے گی۔ چنانچہ کہیں کہیں سے بالوں کی جڑیں اکھاڑی اور لگائی جاتی ہیں تاکہ بالوں کی صحت مندی وہاں بھی بحال رہے۔ اس آپریشن میں تقریباً دو گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔ اگر گنج کا رقبہ زیادہ ہو تو پھر وقفوں وقفوں کے بعد تین چار آپریشن کرانے پڑتے ہیں۔

ٹرانس پلانٹ کٹے ہوئے بال دو ماہ کے بعد قدرتی طور پر بڑھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ اتنے دنوں تک سر کو ٹوپی رومال یا وگ سے ڈھانپ کر رکھتے ہیں۔ گنجے پن کی پیوند کاری کا وجاہت کے علاوہ ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ بال اگنے پر انسان زیادہ نہیں تو کم از کم دس سال کم عمر کا نظر آتا ہے۔

سلاد............ قوت بخش غذا ہے

ریحانہ عاشق

ہم اپنی خوراک میں متوازن غذا کو کیسے استعمال کرتے ہیں۔ مغربی ممالک میں صبح سے لے کر شام تک ہوٹلوں میں کھانا کھانے کا رواج ہے۔ کھانے کے ساتھ ہوٹلوں میں مختلف قسم کی سلاد پیش کی جاتی ہے۔ اس کو دیکھ کر گھروں میں بھی سلاد بنانے کا رواج شروع ہو گیا ہے' جبکہ ہمارے ہاں پہلے ہی سے ہری مرچ' پودینہ' پیاز اور لیموں کا رس چھڑک کر کھانے کا رواج تھا۔ ٹماٹر' کھیرا' پیاز کاٹ کر کھانے کے ساتھ رکھے جاتے ہیں۔ شادی' بیاہ میں بھی سلاد کے ٹرے سجے نظر آتے ہیں۔ کھانے میں سلاد کا استعمال کھانے کو زود ہضم بنا دیتا ہے۔ اس کھانے کا ذائقہ بڑھ جاتا ہے اور انہیں ضروری حیاتین اور توانائی حاصل ہوتی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جو لوگ سلاد کا استعمال کرتے ہیں ان کا وزن کنٹرول میں رہتا ہے اور بڑھتا نہیں۔ سالہا سال سے کچی سبزیوں کی افادیت کو جانتے ہوئے سلاد کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ گاجر اور مولی کاٹ کر کھائی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ خوشبو کے لئے سوئے کے پتے' ہرا دھنیا اور پودینہ کاٹ کر سالن میں ڈالے جاتے ہیں اور ماش کی دال میں تلی ہوئی پیاز کے ساتھ پودینہ ادرک اور ہری مرچ کاٹ کر ڈالی جاتی ہے۔ اسی طرح نہاری میں بھی جب تک ہرا مصالحہ نہ ڈالا جائے کھانے کا مزہ نہیں آتا۔ دیہات میں لوگ کچی پیاز کے ساتھ روٹی کھاتے جس کے باعث شدید دھوپ میں بھی کھیتوں میں کام کرتے ہوئے تھکتے نہیں۔ پیاز اور روٹی کے ساتھ چھاچھ کا استعمال ان کو چاق و چوبند رکھتا ہے۔

متوازن کھانا لحمیات نشاستہ چکنائی حیاتین اور معدنی نمکیات پر مشتمل ہے۔ غذا کے ہضم کا پہلا مرحلہ ہمارے منہ سے شروع ہوتا ہے۔ غذا چبانے سے ان کے خول ٹوٹ جاتے ہیں اور ہاضم خمیر اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔ اسی طرح جب ہم سلاد کھاتے ہیں تو تازہ کچی غذا منہ میں چبانے سے منہ کے خمیر اپنا کام کرتے ہیں۔ چبانے کے بعد جب غذا معدے میں جاتی ہے وہاں سے معدہ اسے پیس کر ہضم کے عمل میں مدد فراہم کرتا ہے۔ حرارت پر پکے ہوئے کھانے میں قدرتی ہضم خمیر ختم ہو جاتے ہیں۔ اسے ہضم کرنے کے لئے لبلبے پر اضافی بوجھ پڑتا ہے جس سے اس کا حجم بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح قلب پر بھی زور پڑتا ہے۔ اچھی صحت اور امراض سے بچاؤ کے لئے اپنی غذائی عادات میں تبدیلی کرنی ضروری ہے۔ تازہ سبزیاں بھگوئی ہوئی دالیں' تازہ پھل' تازہ دودھ صحت کے لئے مفید ہیں۔

ہمارے بزرگ ان کی افادیت سے آگاہ تھے۔ وہ مکئی باجرہ' جوار اور گندم کا آٹا بے چھنا استعمال کرتے تھے۔ اس کے

ساتھ تازہ دودھ مکھن کھاتے تھے۔اسی طرح بادام بھگو کر کھائے جاتے تھے۔پھلیوں اور دالوں کو پانی میں بھگو دیا جائے تو ان کے خمیر آزاد ہو جاتے ہیں۔تازہ کچی گوبھی جسے کرم کلہ بھی کہتے ہیں' پیٹ کے مختلف سرطان میں مفید ہے۔جدید ترین تحقیق کے مطابق تازہ کچی سبزیوں خصوصاً کرم کلے میں حفاظتی کیمیائی اجزا موجود ہوتے ہیں' جس کو اگر پکایا جائے تو وہ ختم ہو جاتے ہیں۔اس لئے ہمیں کرم کلہ اور پھول گوبھی کو اچھی طرح چبا چبا کر کھانا چاہئے۔جو لوگ سبزی خور ہیں ان کی ہڈیاں مضبوط ہوتی ہیں۔سبز پتوں والی ترکاریاں کیلشیم کا منبع ہوتی ہیں۔سبز رنگ کے گہرے پتے قدرت کا عظیم عطیہ ہیں۔ان کو اچھی طرح دھو کر کاٹ کے سلاد میں شامل کیجئے۔کچھ لوگوں کو سلاد کھانے سے پیٹ میں گرانی محسوس ہوتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ موٹے پتے بغیر چبائے کھاتے ہیں۔سلاد کے پتے اچھی طرح سے پانی سے دھوئیے اور پھر ان کو باریک کاٹئے اور چبا چبا کر کھائیے۔چبانے سے غذا کی افادیت دوچند ہو جاتی ہے۔کھانے کے ساتھ سلاد کا استعمال کھانے کو ہضم کرنے کے علاوہ حیاتین فراہم کرتا ہے۔آپ کے وزن کو بڑھنے نہیں دیتا۔قبض دور کرتا ہے' موسم کے مطابق آپ سبزیاں اور پھل کاٹ کر سلاد میں شامل کر سکتے ہیں۔

لیموں اور ادرک کا استعمال قوت مدافعت میں اضافہ کرنے کے ساتھ بھوک لگاتا ہے۔کھانا جلد ہضم ہو جاتا ہے۔ٹماٹر سلاد میں ڈالے جاتے ہیں' لائکوپین ٹماٹر کا ایسا جزو ہے جسے آج کے سائنس دان انسان کے لئے بہت بڑی نعمت قرار دیتے ہیں۔یہ ٹماٹر کو سرخ بناتا ہے۔امراضِ قلب اور سرطان کے خطرات کو کم کر دیتا ہے۔پیاز دنیا بھر میں استعمال کی جانے والی سبزی ہے۔روم کا بادشاہ نیرو آواز کو حسین بنانے کے لئے روزانہ پیاز کھاتا تھا۔پرانے حکیم پیاز کو آواز سریلی کرنے کا' حافظہ کو جلا بخشنے' ہڈیوں کو جوڑنے اور رنگ کو نکھارنے کے لئے تجویز کرتے تھے۔گاجر معدے کی تیزابیت دور کرتی ہے۔

آئینِ اکبری میں گاجر کا تذکرہ بطور غذا موجود ہے۔بابر بادشاہ اسے گھی میں ہلکا سا تل کر کھاتا تھا۔کچی گاجر چبانے سے مسوڑھوں اور دانتوں کی ورزش ہو جاتی ہے۔گاجر یرقان' دل کی دھڑکن' خرابیٔ خون' بواسیر میں مفید ہے۔قبض کو دور کرتی ہے۔گردے کی پتھری اور مثانے کے لئے اچھا ہے۔سلاد میں گاجر کا استعمال بہت اچھا ہے۔

چہرے پر رونق اور نکھار کے لئے روزانہ دو تین گاجروں کی سلاد کھانے سے فائدہ ہوتا ہے۔سلاد میں چقندر کے استعمال سے جسمانی کمزوری دور ہوتی ہے۔یہ دل کے لئے مفید ہے۔مولی کے پتے سلاد میں باریک کاٹ کر ملا دیئے جائیں تو اجابت کھل کر ہوتی ہے۔جسم سے ردی فضلات نکل جاتے ہیں۔خون میں یورک ایسڈ زیادہ ہو جائے تو مولی کی سلاد فائدہ دیتی ہے۔سرخ پکے ہوئے ٹماٹروں کی سلاد پر نمک اور کالی مرچ چھڑک کر کھائیں تو پیٹ کے کیڑے ختم ہو جاتے ہیں۔پہلے زمانے میں ککڑی بیچنے والوں کی آواز سن کر مزہ آتا تھا۔پتلی پتلی سبز ککڑیاں خوانچہ میں سجا کر آواز لگاتے تھے' مجنوں کی پسلیاں لے لو' لیلیٰ کی انگلیاں لے لو۔ککڑی سلاد میں از حد مفید ہے۔اس کا روزانہ استعمال چہرے پر نکھار لاتا ہے۔دورانِ خون کو کنٹرول کرتا اور سیرم یورک ایسڈ کو کم کرتا ہے۔کھیرا گرمی کے موسم میں فائدہ مند ہے۔اس سے پیشاب کھل کر آتا ہے۔جسم کی جلن اور گرمی دور ہوتی ہے۔ہرے دھنیے کی ایسی تاثیر ہے کہ سلاد میں

شامل کیا جائے تو جسم کی گرمی کو کم کرتا ہے۔ ضعف بصارت، دماغی کمزوری، پیشاب کی جلن میں ہرا دھنیا فائدہ دیتا ہے۔اس میں وٹامن اے موجود ہوتا ہے۔ پودینہ ہاضم اور مقوی معدہ ہے۔یہ تبخیر اور ریاح کے لئے میفد ہے۔جگر کو فائدہ دیتا ہے، معدے سے متعلقہ امراض میں پودینہ کام آتا ہے۔منہ، گلے اور دانتوں کے امراض میں پودینہ کے تازے پتے خوب چبا کر کھانے سے تحفظ ملتا ہے۔ پودینہ میں موجود کلوروفل منہ کی بدبو کو زائل کر دیتا ہے۔ پائیوریا مسوڑھوں کی خرابی میں مفید ہے۔ادرک نظام ہضم کی اصلاح کے لئے انتہائی قیمتی دوا ہے۔ بدہضمی، ریاح، قولنج، قے کے لئے مفید ہے۔کھانا کھانے کے بعد ایک چھوٹا سا ٹکڑا باقاعدگی سے روز چبا لیا جائے یا سلاد میں شامل کر لیا جائے تو صحت کے لئے بہت مفید ہے۔کھانا جلد ہضم ہو جاتا ہے اور کھانسی اور گلے کے امراض سے بچا جا سکتا ہے۔ بند گوبھی کے پتے بھی سلاد میں ضرور شامل کرنے چاہئیں کیونکہ یہ انسانی بدن کو انحطاط سے بچانے میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔تلی میں پیدا ہونے والی پتھری کو روکنے اور تحلیل کرنے میں مدد دیتے ہیں اور خون کی نالیوں کو صحت مند رکھتے ہیں۔اس کے علاوہ ہمیں اپنی سلاد میں انڈوں کا استعمال بھی کرنا چاہئے۔اگر سلاد میں انڈے ابال کر ان کے اندر ٹماٹر کا گودا نمک اور سفید زیرہ ڈال کر کھایا جائے تو یہ غذا متوازن اور غذائیت سے بھرپور ہوتی ہے ہماری صحت اچھی ہوگی تو ہم اپنے سارے کام اچھے طریقے سے کر پائیں گے، کیونکہ صحت ہزار نعمت ہے۔

☆☆☆☆

حکایات سعدی

فضول خرچی

ایک پارسا زادے کو چچاؤں کے ترکے سے بہت سی دولت ہاتھ لگی۔ اس نے عیاشی و بدکاری شروع کر دی۔ فضول خرچی کو اپنا معمول بنالیا اور تمام گناہوں میں سے کوئی بُری بات ایسی نہ تھی جو اس نے نہ کی ہو، کوئی نشہ ایسا نہیں جو اس نے استعمال نہ کیا ہو۔ ایک مرتبہ میں نے اس کو نصیحت کی کہ برخوردار آمدنی چلتے پانی کی طرح ہے اور خرچ چلتی ہوئی چکی کی مانند۔ یعنی زیادہ خرچ کرنا اس شخص کے لیے ٹھیک ہے جو کوئی مقررہ آمدنی رکھتا ہے۔

جو دخلت نیست خرچ آہستہ ترکن
کہ میگویند ملاحان سرودے

جب تیری آمدنی نہیں ہے تو خرچ بہت کم کر دے کیونکہ ملاح ایک راگ گایا کرتے ہیں۔

بکوہستان اگر باراں نبارد
بسالے دجلہ گردد خشک رودے

کہ پہاڑوں میں اگر پانی نہ برسے تو ایک برس میں دجلہ ایسا دریا خشک ہو جائے۔

میں نے امیرزادے سے کہا، عقل اور ادب کا طریقہ اختیار کر اور کھیل کود چھوڑ دے۔ کیونکہ جب دولت ختم ہو جائے گی تو تُو سختی اٹھائے گا اور شرمندہ ہو گا۔ لڑکے نے گانے اور شراب پینے کی وجہ سے بات نہیں سنی اور میری بات پر اعتراض کیا اور جواب دیا کہ موجودہ آرام کو آئندہ پریشانی سے گدلا کرنا عقل مندوں کی رائے کے خلاف ہے۔ پس مجھ سے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ مروت کی گدی پر بیٹھا رہوں، میں نے جواں مردی کا عہد کیا ہے اور میری بخشش کا ذکر عام لوگوں کی زبان تک پہنچ چکا ہے۔

میں نے دیکھا کہ نصیحت نہیں مانتا اور میری دلسوزی کی باتیں اس کے دل کے ٹھنڈے لوہے پر اثر نہیں کرتیں تو میں نے نصیحت کرنا چھوڑ دیا اور اس کی ہم نشینی سے پرہیز کرنا شروع کیا اور عقل مندوں کے قول پر عمل کیا۔ کیونکہ عقل مندوں نے کہا ہے جو بات تیرے ذمہ ہے وہ پہنچا پھر اگر قبول نہ کریں تو تُو بری الذمہ ہے۔ آخر اس کی فضول خرچی نے یہ دن دکھائے کہ اس کے پاس پہننے کو کپڑے نہ رہے۔ اپنے لباس پر پیوند پہ پیوند لگاتا تھا۔ اس کی پریشانی اور درماندگی دیکھ کر میرا دل پسیج گیا اور یہ بات مجھے خلاف مروت معلوم ہوئی کہ اس حال میں اس فقیر کے زخم کو ملامت سے مزید چھیلوں اور نمک چھڑکوں۔ پس میں نے دل میں کہا کہ:

حریف سفلہ درپایاں مستی
نیندیشند ز روز تنگ دستی

کمینہ ہم نشین مستی کے غلبے میں مفلسی کے زمانے سے اندیشہ نہیں کرتا

درخت اندر بہاراں برفشاند
زمستان لاجرم بے برگ ماند

درخت بہار کے زمانے میں پھل بکھیرتا ہے

ناچار جاڑوں میں بے سامان رہ جاتا ہے۔

اسلام نے فضول خرچی کی سختی سے ممانعت کی ہے اور فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے کیونکہ فضول خرچی کا مظاہرہ اکثر شیطانی کاموں میں کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی نیک کاموں پر دولت خرچ کرتا ہے تو یہ فضول خرچی نہیں ہے۔ انسان کو خوش حالی کے دنوں میں کچھ بچا کر رکھنا چاہیے تاکہ تنگ دستی کے وقت کام آئے' جو لوگ ایسا نہیں کرتے انہیں بعد میں دوسروں کے آگے دست سوال دراز کر کے شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ بچت خوش حالی کا زینہ ہے اس کو اپنانے والے زندگی میں مشکلات کا شکار ہونے سے بچے رہتے ہیں۔

اگر انسان اپنی حد میں رہ کر خرچ کرے تو بہت سی قباحتوں سے بچا رہتا ہے۔ اسلام کا بھی یہی حکم ہے کہ اعتدال اور میانہ روی اختیار کرو کیونکہ فضول خرچی کی عادت سے ایک تو قومی سرمایہ بُری طرح برباد ہو جاتا ہے' دوسرے اس بے موقع خرچ سے ملک و قوم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ نیز فضول خرچی بے جا فخر وغرور اور تکبر پیدا کرتی ہے۔ جس سے معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ بعض اوقات فضول خرچ لوگ تمام مال و دولت اڑا کر خود مفلس اور قلاش ہو جاتے ہیں۔ پھر اس قسم کی ''فیاضی'' کے لیے جائز مال کافی نہیں ہوتا تو لوٹ مار سے مال جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نمائش کے موقع پر اسی مال کو خرچ کرتے ہیں۔ یہ فضول خرچی ہی ہے جس سے رشوت ستانی کو فروغ ملتا ہے۔ جو لوگ لوٹ مار سے مال جمع کرتے ہیں پھر اس کو فخر وغرور کے ساتھ خرچ کرتے ہیں' ان کی دیکھا دیکھی دوسرے بھی ایسا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور برائیوں کا لامتناہی سلسلہ چل نکلتا ہے۔ اسلام نے کھانے پہننے اور اوڑھنے میں کفایت شعاری کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ ہر شخص کو اپنی چادر کے اندر رہنا چاہیے اور اپنی حیثیت سے بڑھ کر خرچ نہیں کرنا چاہیے۔

☆☆☆☆

تکریم اساتذہ کلید کامیابی

پروین اختر

حصولِ علم کی جتنی تاکید اسلام میں کی گئی ہے اتنی دنیا کے کسی مذہب میں نہیں کی گئی۔ پہلی وحی کا آغاز بھی اسی تاکید سے ہوا۔ سرور کائنات حضرت محمد ﷺ نے اپنے آپ کو پیغمبر سے زیادہ معلم کہلوانا پسند فرمایا۔ فرمان نبوی ہے:

"مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔"

جس طرح حصولِ علم کو اہم فریضہ قرار دیا گیا ہے اسی طرح علم دینے والی ہستی "معلم" کو بھی اعلیٰ بلند مقام پر فائز کیا گیا ہے۔ حضرت علیؓ کا فرمان ہے:

"جس نے مجھے ایک حرف بھی پڑھایا وہ میرا استاد ہے۔"

سکندر اعظم کا مشہور قول ہے:

"میرے ماں باپ مجھے آسمان کی بلندیوں سے زمین پر لائے اور میرے استادوں نے مجھے زمین کی پستیوں سے آسمان کی وسعتوں تک پہنچایا۔"

خلیفہ ہارون رشید کے زمانے میں خلفیۂ وقت کے صاحبزادے اس بات پر بحث کرتے تھے کہ استاد کے جوتے کون اٹھائے گا۔ استاد کو بلاشبہ روحانی باپ کا درجہ دیا گیا ہے۔ وقت گزرتا گیا اور یہ مثالیں کم ہوتی گئیں اور یوں ہم مجموعی طور پر تعلیمی انحطاط کا شکار ہوتے گئے۔ یہ بجا ہے کہ استاد معمارِ قوم ہوتا ہے جس کے ہاتھوں ملک وملت کے نونہال پروان چڑھتے ہیں اور قوموں کی زندگی میں انقلاب برپا ہوتے ہیں۔

تعلیم کسی بھی قوم کی ترقی کی بنیاد ہے۔ دنیا پر ہمیشہ انہی اقوام نے حکومت کی ہے جنہوں نے تعلیم کو اپنی اولین ترجیح قرار دیا ہے۔ پاکستان کو قائم ہوئے نصف صدی سے زائد عرصہ گزر چکا ہے مگر بدقسمتی سے تعلیمی لحاظ سے ہم ابھی تک بہت پیچھے ہیں جبکہ ہم سے بعد میں آزاد ہونے والی اقوام بھی تعلیمی شعبہ میں ہم سے بہت آگے جا چکی ہیں۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہماری "پلاننگ" میں تعلیم کو کبھی بھی ترجیحی مقام حاصل نہیں ہوا اور اس شعبہ کو ہر لحاظ سے نظر انداز کیا گیا ہے۔ کسی بھی حکومت نے اس شعبہ کی بہتری کے لیے کوئی ٹھوس اقدامات نہیں کئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تعلیم محض حصولِ روزگار کا ایک ذریعہ بن کر رہ گئی ہے۔ ہماری درس گاہیں وافر مقدار میں ڈگری ہولڈرز تو تیار کرنے لگیں مگر ہم تعلیم یافتہ قوم تیار کرنے میں ناکام رہے اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بیرونِ ممالک ہماری درسگاہوں کی جاری کردہ ڈگریاں بالکل بے وقعت ہو گئیں اور تعلیم یافتہ اقوام نے ہماری ڈگریوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

موجودہ دَور کا اگر تجزیہ کریں تو یہ بات کُھل کر سامنے آتی ہے کہ آج کے استاد اور شاگرد کے درمیان دوریاں ہی دوریاں ہیں۔ کسی بھی کلاس روم میں چلے جائیں خواہ

وہ گورنمنٹ سکول ہو یا پرائیویٹ سکول' زیادہ تر طلباء وقت گزارنا چاہتے ہیں اور استاد تنخواہ حلال کرنا چاہتے ہیں۔لیکن ایک فرق ضرور ہے کہ گورنمنٹ سکولز میں بچے پڑھنا چاہتے ہیں' پڑھ لکھ کر طبقاتی فرق کو کم کرنا چاہتے ہیں لیکن اساتذہ جن کو نوکری چلے جانے کا کوئی خطرہ نہیں وہ بغیر تیاری کے کلاس روم میں آتے ہیں اور وقت گزار کر چلے جاتے ہیں۔انہیں صرف تنخواہ سے غرض ہوتی ہے جو ہر ماہ کی یکم تاریخ کو انہیں مل جاتی ہے۔معمارِ قوم بننے کے جذبے پر ضروریاتِ زندگی کا حصول مقدم ہو چکا ہے۔یہ حقیقت ہے کہ اساتذہ کی تنخواہیں کم ہیں جو مسائل زندگی کے حل کے لیے ناکافی ہیں۔لیکن ان مسائل میں ان بیچارے بچوں کا کیا قصور ہے؟ جن کی تعلیم وتربیت کے وہ ذمہ دار ہیں۔جہاں تک پرائیویٹ سکولز کا تعلق ہے وہاں صورتِ حال یکسر مختلف ہے۔وہ تمام پڑھے لکھے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور باہنر خواتین وحضرات جنہیں کسی اور شعبہ میں ملازمت نہیں ملتی' وہ پرائیویٹ سکولز کے ذریعہ روزگار کمانے پر مجبور ہیں۔چونکہ یہ نوکری سے محروم افراد ہوتے ہیں اس لئے سکول مالکان ان کا استحصال اپنا حق سمجھتے ہیں اگر کسی نے بھاؤ تاؤ کر کے کم سے کم تنخواہ پر انہیں رکھ لیا جاتا ہے۔ان میں سے بیشتر لوگ اپنے کام سے انصاف کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ یہ سلسلہ روزگار ان کے لیے غنیمت ہوتا ہے' لیکن یہاں طلباء کا حال یکسر مختلف ہے۔زیادہ تر طلباء خوشحال گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں اور استاد کو اپنے سے کم حیثیت جان کر ان کی عزت وتکریم اپنے لیے لازمی نہیں گردانتے۔ان سکولوں میں بچوں کی اساتذہ سے بدتمیزی معمول کی بات بن چکی ہے کیونکہ گھروں میں پڑھانے کے لیے ٹیوٹر آتے ہیں اور فی مضمون ان کا معاوضہ اتنا ہوتا ہے جتنی استاد کی مہینہ بھر کی تنخواہ۔ایسے میں دولت کا زعم استاد شاگرد کا رشتہ پہچاننے میں رکاوٹ بنتا ہے۔

دوسری طرف ہم بدلتی ہوئی اقدار کے معاشرے کے باسی ہیں۔انٹرنیٹ کا زمانہ ہے' معلومات کا دریا ہے' جو ہر طرف بہہ رہا ہے اور ہر کوئی حسبِ توفیق اس سے فیض یاب ہو رہا ہے اب وہ زمانے گزر گئے جب تعلیم درجہ بندی کے اصولوں کے مطابق ہوتی تھی۔یعنی عمر کے کس حصے میں کون سی معلومات شامل ہوں گی۔اب تو عمر کے ہر حصے میں' عمر کے ہر حصے کی معلومات آپ ایک بٹن دبا کر حاصل کر سکتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ استاد کی قدر ومنزلت دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے' اور سب سے بڑی بات جو استاد کی قدر ومنزلت موجودہ دور میں کم کرنے کا باعث بنی ہے وہ ہے مادہ پرستی۔آج ہم اُس کو عزت دیتے ہیں جو زیادہ دولت مند ہے۔آج ہر طرف دولت کمانے کی ایک دوڑ لگی ہوئی ہے جس میں ہر کوئی دوسرے سے آگے نکلنا چاہتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج کا طالبعلم سفید پوش استاد کو پہلے جیسی عزت و تکریم نہیں دیتا اور پھر طالب علم ان اساتذہ کو کیا عزت دے سکتا ہے جو دو وقت کی روٹی کمانے کے لیے علم کو ذریعہ روزگار بنائے ہوئے ہیں۔طالب علموں کے اس رویہ کے بہت حد تک ذمہ دار خود والدین بھی ہیں کیونکہ استاد کی عزت اگر خود والدین کریں گے تو اولاد بھی ان کے نقشِ قدم پر چلے گی اور اگر وہ استاد کو غلط اور بچے کو درست قرار دیں گے تو بچے کیونکر استاد کی عزت کریں گے۔والدین پر بھی لازم ہے کہ خود بھی استاد کی عزت کریں اور بچوں میں بھی ان کے ادب کا جذبہ پیدا کریں کیونکہ استاد کا احترام مسلمان قوم کا وطیرہ ہے اور وہی اقوام دنیا میں عروج حاصل کرتی ہیں جو معمارانِ قوم' اساتذہ کو عزت واحترام دیتی ہیں۔

محیط اسماعیل

تتلی

کیسی نازک کیسی پیاری رنگ برنگی تتلی
چال اور پھرتی ایسی گویا بھری ہو اس میں بجلی
بھاگ بھاگ کر ہم تھک جائیں ہات کبھی نہ آئے
جو بھی اس کے پیچھے جائے آخر کو پچھتائے

کیسے پکڑیں دائیں بائیں اوپر نیچے دوڑے
ایک سے بڑھ کر ایک ہیں اس کے پاس ہوا کے گھوڑے
پھولوں سے یاری ہے اس کی' درپردہ ہے دشمن
رنگ چرائے' رس پی جائے' تہی نہ رکھے دامن

کیسی نازک کیسی پیاری رنگ برنگی تتلی
چال اور بھرتی ایسی گویا بھری ہو اس میں بجلی
بھاگ بھاگ کر ہم تھک جائیں ہات کبھی نہ آئے
جو بھی اس کے پیچھے جائے آخر کو پچھتائے

پھول کھلے چھوٹا جو کوئی' سونڈ بھرے اڑ جائے
پھول اگر ہو ماشاء اللہ' گھونٹ بھرے اڑ جائے
جانے کتنے پھولوں سے ہیں رنگ چرائے اس نے
بھولے بھالوں تک جاجا کر کام دکھائے اس نے

کیسی نازک کیسی پیاری رنگ برنگی تتلی
چال اور پھرتی ایسی گویا بھری ہو اس میں بجلی
بھاگ بھاگ کر ہم تھک جائیں ہات کبھی نہ آئے
جو بھی اس کے پیچھے جائے آخر کو پچھتائے

دیکھنے میں ہے جتنی خوش رنگ اتنی ہی ہرجائی
جھوٹ موٹ دیتی ہے تاثر شرمائی گھبرائی
کاغذ سے باریک ہیں اس کے پر' باریک نظر ہے
شام ڈھلے' کوئی بھی نازک ٹہنی اس کا گھر ہے

کیسی نازک کیسی پیاری رنگ برنگی تتلی
چال اور پھرتی ایسی گویا بھری ہو اس میں بجلی
بھاگ بھاگ کر ہم تھک جائیں ہات کبھی نہ آئے
جو بھی اس کے پیچھے جائے آخر کو پچھتائے

ہر تتلی کا رنگ جدا ہے' نقش بھی الگ ہیں سب کے
اس مخلوق کو دیکھا جب سے قائل ہوئے ہیں رب کے
کچے رنگ لیے پھرتی ہے جیسے ابھی بنی ہو
باغوں میں ایسے نکلے گی جیسے نئی نئی ہو

کیسی نازک کیسی پیاری رنگ برنگی تتلی
چال اور پھرتی ایسی گویا بھری ہو اس میں بجلی
بھاگ بھاگ کر ہم تھک جائیں ہات کبھی نہ آئے
جو بھی اس کے پیچھے جائے آخر کو پچھتائے

مرزا البشیر رحمانی

اندھے کی لاٹھی

سڑک پر ایک نابینا کھڑا تھا
سڑک کو پار کرنا چاہتا تھا
بہت ہی بھیڑ تھی رستے کے اندر
بسیں آتی تھیں جاتے تھے سکوٹر
بپا تھا ہر طرف اک شورِ محشر
صداؤں پہ صدائیں دے رہا تھا
سڑک پر ایک نابینا کھڑا تھا
کوئی سنتا نہ تھا اس کی صدائیں
بڑے خطرے تھے اُس کے دائیں بائیں
کسی کو حال اس کا کیا بتائیں
صداؤں پہ صدائیں دے رہا تھا
سڑک پر ایک نابینا کھڑا تھا
جو اک بچے نے دیکھا حال اس کا
پکڑ کر ہاتھ نابینا کا بولا
کھڑے ہو کیوں، کہاں جاؤ گے بابا
وہ بولا اپنے گھر کو جا رہا تھا
سڑک پر ایک نابینا کھڑا تھا
یہ سُن کر ترس اس بچے کو آیا
لگا کہنے وہ، میں حاضر ہوں بابا
سڑک کے پار پھر اُس کو کرایا
وہ بچہ سوچتے کتنا بڑا تھا
جو نابینا کی لاٹھی بن گیا تھا

مرزا احسن منیب رحمانی

سکول کا بچہ

احسن ہے اسکول کا بچہّ
دُھن کا پکاّ قول کا سچاّ
صبح سویرے جاگ اٹھا ہے
سیر کو وہ تیار ہوا ہے
سیر سے جس دم واپس آیا
چائے پی ہے انڈہ کھایا
احسن ہے اسکول کا بچہّ
دُھن کا پکاّ قول کا سچاّ
لکھنا پڑھنا کام ہے اُس کا
کھیل میں اُونچا نام ہے اُس کا
امی ابو کا ہے پیارا
استادوں کا راج دُلارا
احسن ہے اسکول کا بچہّ
دُھن کا پکاّ قول کا سچاّ
ماں سے محبت کرتا ہے وہ
باپ کی عزت کرتا ہے وہ
پیارے وطن سے پیار ہے اُس کو
اپنے چمن سے پیار ہے اُس کو
زندہ اُس کا کام رہے گا
روشن اُس کا نام رہے گا
کرتا رہے گا وہ جو پڑھائی
دنیا کرے گی اُس کی بڑائی
احسن ہے اسکول کا بچہّ
دُھن کا پکاّ قول کا سچاّ

ہنسی کے گول گپے

ریحانہ عاشق

☆ تین بیوقوف ایک جگہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے تو ایک نے کہا اگر دریا میں آگ لگ جائے تو مچھلیاں کدھر جائیں گی۔

دوسرا بیوقوف بولا: مچھلیاں جلدی سے درختوں پر چڑھ جائیں گی۔

تیسرا بیوقوف بولا: ارے واہ وہ بھی کوئی ہاتھی ہیں جو درخت پر چڑھ جائیں گی۔

☆ ایک بیوقوف نے دوسرے بیوقوف سے کہا اگر تم بتا دو کہ میری جیب میں کیا ہے تو چاروں کے چاروں انڈے تمہارے ہوئے۔

دوسرا بیوقوف: مجھے ایسے کیسے پتہ چلے گا' کوئی اشارہ تو دو۔

پہلا: اندر سے زرد اور باہر سے سفید ہیں۔

دوسرا: اچھا' تم نے مولی میں گاجر کو چھپایا ہوا ہے۔

☆ دو چوروں نے چوری کی۔ ایک نے کہا پہلے روپیہ اور زیورات تو گن لو کتنے مالیت کے ہیں۔

دوسرے نے کہا بیوقوف گننے میں کون اپنا وقت برباد کرے کل اخبار میں پڑھ لیں گے۔

☆ ایک ہوٹل کے دروازے پر لکھا تھا کہ کھانا آپ کھایئے بل آپ کے پوتے سے وصول کریں گے۔

ایک آدمی نے یہ پڑھ کر کھانا کھایا' جب بیرا بل لے کر آیا تو آدمی نے کہا میرے پوتے سے لے لینا۔

بیرا بولا: یہ بل آپ کے دادا کا ہے۔

☆ ایک فقیر نے دروازے پر صدا دی تو اندر سے ایک بچہ نکلا۔ اس نے فقیر سے کہا شربت پیو گے۔ فقیر خوش ہو کر بولا: ہاں کیوں نہیں۔

فقیر نے تیسرا گلاس پینے کے بعد پوچھا۔ یہ کیا آج گھر میں زیادہ شربت بنا ہے۔

بچہ معصومیت سے بولا نہیں شربت میں مینڈک گر گیا تھا۔

☆ ایک عورت' بہن ایمانداری میں بڑی برکت ہے۔

سہیلی وہ کیسے؟

عورت: کل میں بس میں سفر کر رہی تھی کہ اچانک خیال آیا کہ ایمانداری کا تقاضا ہے کہ ٹکٹ ضرور خریدیں۔ میں نے کنڈیکٹر کو بلایا اور پانچ روپے کا نوٹ دیا۔ ٹکٹ دو روپے کا تھا' کنڈیکٹر نے دس روپے کا نوٹ سمجھ کر آٹھ روپے واپس کر دیئے۔

☆ ایک دن چوہے کے بچے نے ہاتھی کے بچے سے پوچھا' تمہاری عمر کتنی ہے۔ اس نے کہا دو سال۔ چوہے کا بچہ سن کر بہت حیران ہوا۔ اس بات پر ہاتھی کے بچے نے چوہے کے بچے سے کہا اور تمہاری عمر کتنی ہے۔ اس نے کہا عمر تو میری بھی دو سال ہے لیکن میری صحت ذرا خراب رہتی ہے۔

ہماری دستاویزی فلمیں

نمبر شمار	نام	دورانیہ	نمبر شمار	نام	دورانیہ
1	علامہ اقبال 35MM/VHS(بلیک اینڈ وائٹ)	30منٹ	18	مرزا غالب (اردو) 35MM/VHS	80منٹ
2	آرکیٹیکچر ان پاکستان 35MM/VHS	20منٹ	19	پاکستان' پاسٹ اینڈ پریذنٹ (انگلش) 35MM/VHS	30منٹ
3	آرٹ اِن پاکستان (انگلش) 35MM/VHS(بلیک اینڈ وائٹ)	30منٹ	20	پاکستان۔اے پورٹریٹ (انگلش) VHS/U.MATIC.35MM	30منٹ
4	برتھ آف پاکستان (انگلش) 35MM/VHS(بلیک اینڈ وائٹ)	30منٹ	21	کارپٹس (اردو) 35MM	20منٹ
5	کلچرل ہیریٹیج آف پاکستان (اردو) 35MM/Betacam	20منٹ	22	پی ایم اے کاکول (اردو) 35MM/U.Matic	30منٹ
6	چلڈرن آف پاکستان 35MM/VHS/U.Matic	20منٹ	23	پاکستان پینوراما (اردو' انگلش' عربی) 35MM/U.Matic	20منٹ
7	کری ایٹو ہینڈز (انگلش) 35MM/U.Matic	30منٹ	24	ویلی آف سوات (اردو) 35MM	20منٹ
8	گندھارا آرٹ (انگلش)35MM/U.Matic	20منٹ	25	پاکستان سٹوری (اردو)VHS/35MM	70منٹ
9	گریٹ ماؤنٹین پاسز اِن پاکستان (انگلش)35MM	20منٹ	26	پاکستان لینڈ اینڈ اِٹس پیپلز (انگلش) 35MM	30منٹ
10	گرین ٹریل ان پاکستان (اردو' انگلش) 35MM/VHS/U.Matic	10منٹ	27	پاکستان پرامزنگ لینڈ (انگلش) 35MM/U.Matic	50منٹ
11	جرنی تھرو پاکستان (اردو' انگلش) 35MM	20منٹ	28	قائداعظمؒ (اردو) 35MM/VHS	30منٹ
12	لیکس اِن پاکستان (اردو) 35MM	30منٹ	29	سوہنی دھرتی۔پاکستان (انگلش) 35MM/VHS/U.Matic	30منٹ
13	مونومنٹس آف پاکستان (اردو) 35MM/VHS	20منٹ	30	سینک بیوٹی آف پاکستان (اردو) 35MM	20منٹ
14	موہن جوڈرو (انگلش) 35MM	20منٹ	31	انڈس۔دی ریور آف ہسٹری (اردو) 35MM	20منٹ
15	مائنارٹیز اِن پاکستان (انگلش' اردو) 35MM/UHS/U.Matic	20منٹ	32	انڈسٹریل گروتھ آف پاکستان 35MM	20منٹ
16	میرج کسٹمز 35MM/VHS	20منٹ	33	ناردرن ایریاز (انگلش)35MM	30منٹ
17	وائلڈ لائف اِن پاکستان (اردو) 35MM	30منٹ	34	جیم اینڈ جیولری (انگلش) 35MM/VHS/U.Matic	20منٹ

رابطہ برائے خریداری

منیجر: ڈائریکٹوریٹ جنرل آف فلمز اینڈ پبلی کیشنز بی۔ایف بلڈنگ زیرو پوائنٹ' اسلام آباد۔پاکستان: فون 051-9202776 فیکس: 051-9206828

ہماری مطبوعات

نمبر شمار	مطبوعات	زبان	قیمت پاکستانی روپے	قیمت امریکی ڈالر
1	قائداعظم محمد علی جناح خطبات اور ارشادات بطور گورنر جنرل 1947ء تا 1948ء (مجلد)	انگریزی	150/=	$-05
2	قائداعظم محمد علی جناح خطبات اور ارشادات بطور گورنر جنرل 1947ء تا 1948ء (پیپر بیک)	انگریزی	95/=	$-04
3	قائداعظم محمد علی جناح خطبات اور ارشادات بطور گورنر جنرل 1947ء تا 1948ء (پیپر بیک)	اردو	95/=	$-04
4	قائداعظم محمد علی جناح (تصویری البم) 1876ء تا 1948ء (مجلد)	انگریزی	425/=	$-17
5	قائداعظم محمد علی جناح (تصویری البم) 1876ء تا 1948ء (پیپر بیک)	انگریزی	350/=	$-17
6	اقوال قائدؒ (مجلد/پیپر بیک)	انگریزی	50/=	$-03
7	جناح اور ان کا دور (از عزیز بیگ)	انگریزی	250/=	$-10
8	پاکستان۔فرام ماؤنٹینز ٹو سی (از محمد امین۔ڈنکن ویلِس۔گراہم ہینکاک)	انگریزی	650/=	$-20
9	پاکستان۔چینی مصوروں کی نظر میں (ین یگ اینڈ ٹوہوا)	انگریزی، عربی، فرانسیسی، چینی	500/=	$-20
10	پاکستان ہینڈی کرافٹس	انگریزی	100/=	$-04
11	پاکستان کرونولوجی 1947ء تا 2001ء (چھ جلدیں)	انگریزی	450/=	$-17
12	پاکستان کرونولوجی 1947ء تا 2001ء (پیپر بیک) (چھ جلدیں)	انگریزی	400/=	$-15
13	مسلم آرٹ اینڈ ہیریٹیج آف پاکستان (از ڈاکٹر اے ایچ دانی)	انگریزی	100/=	$-04
14	گندھارا آرٹ ان پاکستان (از ڈاکٹر اے ایچ دانی)	انگریزی	100/=	$-04
15	وحدت افکار (علاقائی شاعری سے انتخاب)	اردو	100/=	$-04
16	اسلامی معاشرتی اقدار	اردو	15/=	$-01
17	پاکستان پکٹوریل (دو ماہی)	انگریزی	40/= فی شمارہ 200/= سالانہ	$-35 سالانہ
18	المصورہ (دو ماہی)	عربی	40/= فی شمارہ 200/= سالانہ	$-35 سالانہ
19	سروش	فارسی	15/= فی شمارہ 150/= سالانہ	$-20 سالانہ
20	ماہ نو (ماہنامہ)	اردو	15/= فی شمارہ 150/= سالانہ	$-20 سالانہ

رابطہ برائے خریداری

مینیجر: ڈائریکٹوریٹ جنرل آف فلمز اینڈ پبلی کیشنز بی۔ایف بلڈنگ ڈیرو پوائنٹ اسلام آباد۔پاکستان: فون 051-9202776 فیکس: 051-9206828